فقہ حنفی میں

حالاتِ زمانہ کی رعایت

فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے

[illegible]



تالیف

[illegible]

[illegible]

ناشر

مجلس شرعی

[illegible] اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ (یوپی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ

جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلادیں تو اس سے بہتر یا
اس جیسی لے آئیں گے۔ (۱۰۶/ البقرہ- ۲)

فقہ حنفی

میں حالات زمانہ کی رعایت

فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے

ستر سے زیادہ مسائل سے اس کا واضح ثبوت



مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور



مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب	فقہ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت
تالیف	مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
پروف ریڈنگ	مولانا نفیس احمد مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ
	مولانا عارف حسین مصباحی، استاذ جامعہ قادریہ، بگھارو
	مولانا وسیم اکرم مصباحی، ناگ پور
کمپوزنگ	پیامی کمپیوٹر گرافکس، مبارک پور 9235647041
ناشر	مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ،
	مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ (یوپی)
اشاعت	۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء
تعداد	۱۱۰۰ صفحات : ۹۶
ہدیہ	۳۵روپے

ملنے کے پتے:

○ مکتبہ برہانِ ملت، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

رابطہ نمبر: 9616239099, 9621111959

○ المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

○ مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

○ مجلسِ برکات، کٹرہ گوکل شاہ، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی

رابطہ نمبر: 9616239099, 8573912788

MAJLIS-E-SHARAEE

Jamia Ashrafia, Mubarakpur, Azamgarh (U.P.) 276404

فہرست مضامین

تقدیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
حامداً و مصلّیًا و مسلّمًا

دنیا جب سے وجود میں آئی اس میں نت نئی تبدیلیاں ہوتی رہیں اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے، ہمارے مشاہدات و احساسات شاہد ہیں کہ جیسے جیسے دنیا کے حالات میں تبدیلیاں ہوتی رہیں ویسے ہی اس کی ضرورتیں اور تقاضے بھی بدلتے رہے۔

بچہ پیدا ہوتا ہے اور نشو ونما کے مدارج طے کرتا ہوا سِنِّ شعور کو پہنچتا ہے، پھر جوان اور اس کے بعد بوڑھا ہوتا ہے۔ یہ حالات زندگی کا تغیر ہے اور اس تغیر کے ساتھ سماجی زندگی کے احوال میں تغیر آنا ایک فطری عمل ہے۔ ابتدا میں بچے کو ننگے بدن رہنے میں کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا۔ کچھ دنوں کے بعد کپڑے میں ملبوس ہونا بہتر، پھر ضروری سمجھا جاتا ہے۔ سنِ شعور کا کپڑا جوان رعنا کے بدن پر فٹ نہیں ہوتا اس لیے کپڑوں کا سائز بدلنا پڑتا ہے اور بچپنے کا کپڑا بُڑھاپے کی عمر میں زیب نہیں دیتا۔ حالات بدل رہے ہیں تو کپڑے بھی بدل رہے ہیں۔ اس طرح کے روز مرہ کی زندگی میں سیکڑوں بدلے ہوئے حالات ہیں اور ان کی کوکھ سے جنم لینے والے سیکڑوں ضروریات و تقاضے۔

ان محسوسات اور مشاہدات کی روشنی میں شرعی احکام کو بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ بھی ناگزیر حالات اور تقاضوں کے بدلنے کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔

حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں جب بھائی بہن کے سوا اجنبی مرد و عورت کا وجود نہ تھا تو ایک پیدائش کی بہن کے ساتھ دوسری پیدائش کے بھائی کا نکاح حلال تھا مگر جب اجنبی مرد و عورت بھی پائے جانے لگے تو بھائی بہن کا باہم نکاح حرام ہو گیا۔

خود شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں ابتدائے اسلام میں بہت سے احکام

نافذ ہوئے جو بعد میں زمانے کے تقاضوں کے ساتھ بدلتے رہے، اسے نسخ کہا جاتا ہے۔

عہدِ رسالت اور بعد کے ادوار کی تبدیلیِ احکام میں فرق:

حضور سید عالم ﷺ کے زمانِ برکت نشان میں جو احکام تبدیل ہوئے ان میں اور آج کے تغیر احوال سے بدلنے والے احکام میں فرق ہے۔ عہدِ رسالت میں جو احکام بدلے ہیں وہ علم الٰہی و علم رسول میں ایک خاص مدت تک کے لیے نافذ ہوئے تھے اس لیے جب وہ مدت پوری ہوگئی تو حکم بدل گیا۔ اس بدلنے کو ((نسخ)) اور بدلے ہوئے حکم کو ((منسوخ)) کہا جاتا ہے اور جس حکمِ جدید سے تبدیلی ہوئی اسے ((ناسخ)) کہا جاتا ہے اس کا بیان قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ میں ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (١٠٦، البقرة-٢)

(جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے۔)

اس کے تحت تفسیر خزائن العرفان میں ہے:

"قرآن کریم نے شرائعِ سابقہ (پہلی شریعتوں) و کتب قدیمہ کو منسوخ فرمایا تو کفار کو بہت توحش ہوا اور انھوں نے اس پر طعن کیے، اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ منسوخ بھی اللہ کی طرف سے ہے اور ناسخ بھی۔ دونوں عین حکمت ہیں اور ناسخ کبھی منسوخ سے زیادہ سہل و انفع (آسان اور فائدہ مند) ہوتا ہے۔ قدرت الٰہی پر یقین رکھنے والے کو اس میں جائے تردد نہیں۔ کائنات میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دن سے رات کو، گرما سے سرما کو، جوانی سے بچپن کو، بیماری سے تندرستی کو، بہار سے خزاں کو منسوخ فرماتا ہے۔ یہ تمام نسخ و تبدیلی اس کی قدرت کے دلائل ہیں تو ایک آیت اور ایک حکم کے منسوخ ہونے میں کیا تعجب؟

نسخ درحقیقت حکم سابق کی مدت کا بیان ہوتا ہے کہ وہ حکم اس مدت کے لیے تھا اور عین حکمت تھا۔ کفار کی نافہمی کہ نسخ پر اعتراض کرتے ہیں اور اہل کتاب کا اعتراض ان کے

معتقدات کے لحاظ سے بھی غلط ہے انھیں حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت کے احکام کی منسوخیت تسلیم کرنا پڑے گی یہ ماننا ہی پڑے گا کہ شنبہ کے روز دنیوی کام ان سے پہلے حرام نہ تھے ،(پھر)ان پر حرام ہوئے ،یہ بھی اقرار کرنا ناگزیر ہوگا کہ توریت میں حضرت نوح علیہ السلام کی امت کے لیے تمام چوپائے حلال ہونا بیان کیا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بہت سے (چوپائے) حرام کردیے گئے۔ ان امور کے ہوتے ہوئے نسخ کا انکار کس طرح ممکن ہے۔

مسئلہ: نسخ کبھی صرف تلاوت کا ہوتا ہے، کبھی صرف حکم کا، کبھی تلاوت و حکم دونوں کا۔ بیہقی نے ابوامامہ سے روایت کی کہ ایک انصاری صحابی شب کو تہجد کے لیے اٹھے اور سورۂ فاتحہ کے بعد جو سورت ہمیشہ پڑھا کرتے تھے اس کو پڑھنا چاہا لیکن وہ بالکل یاد نہ آئی اور سوائے «بسم اللہ» کے کچھ نہ پڑھ سکے، صبح کو دوسرے اصحاب سے اس کا ذکر کیا ان حضرات نے فرمایا ہمارا بھی یہی حال ہے وہ سورت ہمیں بھی یاد تھی اور اب ہمارے حافظہ میں بھی نہ رہی۔ سب نے سید عالم ﷺ کی خدمت میں واقعہ عرض کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: آج شب وہ سورت اٹھالی گئی اس کے حکم و تلاوت دونوں منسوخ ہوئے۔ جن کاغذوں پر وہ لکھی گئی تھی ان پر نقش تک باقی نہ رہے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

اس کے بر خلاف عہد رسالت و عہد صحابہ کے بعد جو اجتہادی غیر اجماعی احکام بدلے وہ کوئی خاص مدت گزر جانے کی وجہ سے نہیں بدلے، بلکہ جس بنیاد پر وہ قائم تھے وہ بنیاد حالات زمانہ کے بدلنے سے بدل گئی اس لیے ان پر مبنی احکام بھی بدل گئے۔

بدلنے کی بنیاد ہے: (۱) ضرورت (۲) حاجت (۳) عموم بلویٰ (۴) عرف (۵) تعامل (۶) دینی ضروری مصلحت کی تحصیل (۷) کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ۔

بلکہ عہد رسالت و عہد صحابہ کے بہت سے احکام جو شرعی بنیادوں میں سے کسی بنیاد پر قائم ہیں وہ بھی ان ساتوں بنیادوں پر بدل سکتے ہیں بلکہ بہت سے احکام تو بدل بھی چکے ہیں جیسا کہ آئندہ سطور کے مطالعے سے عیاں ہوگا۔

یہاں یہ امر واضح رہے کہ بدلے ہوئے احکام پر عمل کرنا فی الواقع صاحبِ مذہب کے ہی قول و مذہب پر عمل کرنا ہے، کیوں کہ اگر صاحبِ مذہب اس وقت موجود ہوتے تو وہ بھی یہی فرماتے جو، اب بدلے ہوئے حالات میں ان کے ماننے والے فقہا فرمارہے ہیں۔

دل نشیں مثال کے ذریعہ تفہیم: یہ ایک باریک بات ہے، اسے فقیہِ بے مثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے بڑے دل نشیں انداز سے سمجھایا ہے۔ ہمارے قارئینِ کرام بھی اسے سمجھنے کی کوشش کریں، آپ فرماتے ہیں:

"(نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ائمۂ مذاہب کے) اقوال دو طرح کے ہیں، صُوری اور ضروری۔ **صوری** تو قولِ منقول ہے، اور **ضروری** وہ قول ہے جس کی صراحت قائل نے خاص طور پر نہ کی ہو، البتہ ایسے عموم کے ضمن میں اسے بیان کر دیا ہو جو بدیہی طور پر اس بات کا حکم لگائے کہ اگر قائل اس خاص مسئلے میں کلام کرتے تو ضرور ایسا ہی فرماتے اور بسا اوقات حکمِ ضروری حکمِ صوری کے مخالف ہوتا ہے، تو اس وقت اُس پر حکمِ ضروری کو ترجیح دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ صوری کو اختیار کرنا قائل کی مخالفت شمار کیا جاتا ہے، اور اس سے حکمِ ضروری کی طرف عدول قائل کی موافقت اور اتباع۔

جیسے زید ایک نیک انسان تھا، اس لیے عمرو نے اپنے خادموں کو کھلے لفظوں میں اس کی تعظیم کا حکم دیا اور بار بار انھیں اس بات کی ہدایت کی، اور وہ پہلے ان سے یہ بھی کہہ چکا تھا کہ تم لوگ ہمیشہ فاسق کی تعظیم سے بچتے رہنا، پھر ایک زمانے کے بعد زید فاسقِ معلن ہو گیا تو اگر اب بھی عمرو کے خادم اس کے حکم اور اس کی بار بار کی ہدایت پر عمل پیرا رہ کر زید کی تعظیم و توقیر کریں تو وہ ضرور نافرمان قرار پائیں گے اور اگر اس کی تعظیم چھوڑ دیں تو اطاعت شعار ہوں گے۔

ائمۂ مذاہب کے اقوال میں بھی مذکورہ بالا اسبابِ تغییر میں سے کسی سبب کے باعث یہ تبدیلی ہو جاتی ہے، لہٰذا جب کسی مسئلے میں امام سے کوئی نص ہو، پھر اُن اسبابِ تغییر میں سے کوئی سبب پیدا ہو جائے تو ہم یقینی طور پر یہ اعتقاد رکھیں گے کہ اگر یہ سبب امام کے زمانے میں رونما ہوا ہوتا تو ضرور ان کا قول اس کے تقاضے کے موافق

ہوتا، اس کے خلاف، اور اس کے رد میں نہ ہوتا۔ تو ایسے وقت میں ان سے غیر منقول «قولِ ضروری » پر عمل فی الواقع انھیں کے قول پر عمل ہے اور ان کے «قولِ منقول » پر جمے رہنا در حقیقت ان کی مخالفت (اور ان کے مذہب سے ناآشنائی ہے)۔''[1]

اجماعی احکام نہیں بدلتے: ساتھ ہی یہاں یہ امر بھی واضح رہے کہ حالات کے بدلنے سے صرف اجتہادی، فروعی احکام بدلتے ہیں، اجماعی احکام میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی، فتاویٰ رضویہ میں ہے:

''فقہ میں اجماع، اَقوی الادِلّہ (سب سے زیادہ مضبوط دلیل) ہے کہ اجماع کے خلاف کا مجتہد کو بھی اختیار نہیں، اگرچہ وہ اپنی رائے میں کتاب و سنت سے اس کا خلاف پاتا ہو کہ یقیناً سمجھا جائے گا یہ (اس کی) فہم کی خطا ہے، یا یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے، اگرچہ مجتہد کو اس کا ناسخ نہ معلوم ہو۔''[2]

مگر اسی کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ آج سے دو، تین صدی پیش تر کے نو پیدا فروعی مسائل میں «اجماعِ شرعی » نہیں پایا جاتا، خاص کر اس صورت میں جب اس مسئلے میں علماے امت کے درمیان اختلافِ رائے ہو کہ «اجماعِ شرعی » نام ہے «کسی امرِ دینی پر تمام فقہاے مجتہدین کے اتفاق » کا۔ اور یہاں «اتفاق » کے بجاے اختلاف ہے اور علماے امت بھی ایک عرصۂ دراز سے مجتہد نہ رہے یہ الگ بات ہے کہ انھوں نے اپنی فقہِ خداداد سے بہت سے کارہاے نمایاں انجام دیے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اجماع کے تعلق سے یہ انکشاف فرمایا:

''سبحان اللہ! «اجماعِ شرعی » جس میں اتفاقِ مجتہدین پر نظر تھی، علما نے تصریح فرمائی کہ بوجہِ شیوع و انتشارِ علما فی البلاد دو صدی کے بعد اس کے ادراک کی کوئی راہ نہ رہی۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ «جو کسی امرِ دینی پر اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے » اور اس سے مراد موجودہ وقت میں نئے اجماع کے ظہور کا دعویٰ ہے۔''[3]

(۱)-فتاویٰ رضویہ (عربی سے ترجمہ) جلد اول، ص:۳۸۵، رسالہ اجلی الاعلام)
(۲)-فتاویٰ رضویہ جلد :۱۱، ص:۵۶، ۵۷. مسائل کلامیہ، رضا اکیڈمی)
(۳)-فتاویٰ رضویہ جلد :۸، ص:۲۱۰، رسالہ المنی والدرر، سنی دار الاشاعت)

اس عبارت سے یہ ثابت ہوا کہ بارہ سو برس سے فقہاے مجتہدین کے اجماع کے عرفان کی کوئی راہ نہ رہی، اس لیے ایک ڈیڑھ صدی پہلے پیدا ہونے والے فروعی، اختلافی مسائل میں آج «اجماعِ شرعی» و «اجماعِ مسلمین» کا تصور بدرجۂ اولیٰ نہیں ہو سکتا۔

فروعی مسائل میں اختلاف کا سبب: ان فروعی مسائل میں اختلاف کیوں ہوتا ہے اور اختلاف کرنے والے کسی عالم محقق پر طعن کا کیا حکم ہے؟

یہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے سنیے، آپ فرماتے ہیں:

☆ «تفقُّه فی الدین» میں اختلافِ مراتب، باعثِ اختلاف ہوا، اور

☆ اُدھر مصلحت الٰہیہ، احادیث، مختلف آئیں۔

کسی صحابی نے کوئی حدیث سنی، اور کسی نے کوئی اور۔ وہ بلاد میں متفرق ہوئے (شہروں میں پھیل گئے) اور ہر ایک نے اپنا علم شائع فرمایا، یہ دوسرا باعثِ اختلاف ہوا۔

عبداللہ بن عُمر کا علم امام مالک کو آیا اور عبداللہ بن عباس کا امام شافعی کو اور اَفْضَلُ العَبادِلة عبداللہ بن مسعود کا علم ہمارے امامِ اعظم ابو حنیفہ کو رضی اللہ تعالیٰ عنهم اجمعین. (اس طرح ان چاروں اماموں میں اختلاف ہوا۔ ن)

اجتہادی مسائل میں کسی پر طعن جائز نہیں نہ کہ معاذ اللہ ایسا خیال [کہ کفر سمجھا جائے۔ن]

«حلال کو حرام» یا «حرام کو حلال» جو کفر کہا گیا ہے وہ ان چیزوں میں ہے جن کا حرام یا حلال ہونا ضروریاتِ دین سے ہے، یا کم از کم نصوص قطعیہ سے ثابت ہو۔[1]

یہاں تک کہ حضرت سیدی و مرشدی مفتیِ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دو مشہور مسائل — سجدۂ تعظیمی کا جواز وغیرہ — میں قولِ جمہور سے اختلاف کا حکم یہ بیان فرمایا:

"ان دونوں مسئلوں میں بعض صاحبوں نے اختلاف کیا ہے، اگرچہ وہ لائقِ

(۱)- فتاویٰ رضویه جلد :۱۱، ص:٤٤، مسائل کلامیه، رضا اکیڈمی)

التفات نہیں، مگر اس نے ان مبتلاؤں کو حکم فسق سے بچا دیا ہے، جو ان مخالفین کے قول پر اعتماد کرتے اور جائز سمجھ کر مرتکب ہوتے ہیں۔ (۱)

آج کے دور زوال میں شرعی احکام اور ان کے مصالح سے ناواقفی بہت عام ہو چکی ہے یہی وجہ ہے کہ جب ہماری فقہی مجالس یا مراکز سے «کوئی شرعی بنیاد» بدل جانے کے باعث احکام کے بدل جانے کا اظہار کیا جاتا ہے تو کچھ اذہان میں ایک ہیجان سا بپا ہو جاتا ہے۔ ہم نے اپنے ایسے کرم فرما حضرات کو سمجھانے کے لیے بالخصوص اور تمام اسلامی بھائیوں کو سمجھانے کے لیے بالعموم عہد رسالت سے لے کر آج کے دور انحطاط تک کے کچھ فقہی مسائل جمع کیے ہیں جن کے احکام حالات زمانہ کے بدلنے سے بدل گئے ہیں۔ اب آپ ان مسائل کو انصاف و دیانت کے جذبے سے سرشار ہو کر پڑھیں اور خود فیصلہ کریں کہ ہماری فقہی مجالس کا اقدام سلف صالحین اور اکابر امت کا اتباع ہے یا ان سے اختلاف و انحراف۔

خدارا قرآن حکیم کی یہ نصیحت ہر گھڑی یاد رکھیں:

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى. (۸، المائدہ، ۵)

(انصاف کرو، یہ تقویٰ و پرہیز گاری سے قریب تر ہے۔)

وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى. (۱۵۲، انعام، ٦)

(اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ تمھارے رشتہ دار کا معاملہ ہو۔)

ہمارا مقصود رضائے الٰہی کے لیے علم دین کی اشاعت اور اصلاح ناس ہے و بس۔ خدائے پاک اپنے حبیب رؤف و رحیم ﷺ کے صدقے میں اسے قبول فرمائے اور اس کے نفع کو عام و تام کرے۔ آمین

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللهِ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ. وصلي الله علي خير خلقه محمد واٰله وصحبه اجمعين.

محمد نظام الدین الرضوی

خادم درس و افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور/شب ۲۵/رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ/۴/اگست ۲۰۱۳ء

(۱)- فتاویٰ مصطفویہ ص:٤٥٦، کتاب الحظر والاباحۃ، رضا اکیڈمی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدُ للہِ ربّ العالمین والصّلوٰۃُ والسّلامُ علیٰ حبیبہٖ سیّدِ المرسلین خاتمِ النّبیین وعَلیٰ اٰلہٖ وأزواجِہٖ وصحبِہٖ اجمعین.

اسلام کے احکام دو طرح کے ہیں:

کچھ تو وہ احکام ہیں جو حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے نہیں بدلتے جیسے نماز کے اوقات، رکعتوں کی تعداد، افعالِ نماز میں ترتیب، ہر رکعت میں رکوع ایک اور سجدے دو ہونا، زکوٰۃ کا نصاب، زکوٰۃ کی مقدار، مطاف کی تعیین، وقوف کے لیے عرفہ و مُزدلِفہ کا تعین وغیرہ وغیرہ۔

اور کچھ احکام وہ ہیں جو حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں، کیوں کہ یہ احکام کسی ”بنیاد“ پر قائم ہوتے ہیں اس لیے جب وہ بنیاد بدل جاتی ہے تو حکم بھی بدل جاتا ہے۔ مثلاً سخت بھوک اور پیاس کی وجہ سے جب اضطرار کی حالت پیدا ہوجائے اور جان جانے کا اندیشہ ہو تو قرآن حکیم نے بقدرِ ضرورت مُردار اور خنزیر کا گوشت کھانے اور خون پینے کی اجازت دی ہے۔ لہٰذا جب یہ حالت نہ ہو تو مردار اور خنزیر کا گوشت کھانے اور خون پینے کی اجازت نہ ہوگی۔ یوں ہی بارش اور کیچڑ کی وجہ سے گھروں میں نماز پڑھ لینے کی اجازت ہے لیکن جب یہ حالت نہ ہو تو جماعتِ مسجد کی حاضری واجب ہے۔

پہلے مسئلے میں خنزیر، مردار اور خون کے مباح ہونے کی بنیاد اضطرار ہے اور دوسرے مسئلے میں جماعتِ مسجد کی حاضری میں چھوٹ حرج کی بنیاد پر ہے۔ لہٰذا جب تک یہ بنیادیں پائی جائیں گی ان سے متعلق احکام بھی باقی رہیں گے اور جب یہ بنیادیں باقی نہ رہیں گی تو احکام بدل جائیں گے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ایک سال رمضان المبارک کی تین راتوں میں تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھائی پھر کبھی جماعت نہ کی اور تنہا تراویح پڑھتے رہے۔اس کی وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی:

"فلم یمنعنی من الخروج إلیکم إلّا أنّی خشیتُ أن یُفرض علیکم" میں (جماعتِ تراویح کے لیے) حجرے سے باہر اس لیے نہیں آیا کہ مجھے تم پر جماعت تراویح کے فرض ہو جانے کا اندیشہ ہوا۔ (۱)

حضور سید عالم ﷺ کے برابر جماعت قائم کرنے کی وجہ سے جماعتِ تراویح کے فرض ہونے کا اندیشہ تھا اس لیے آپ نے چوتھی شب سے جماعت قائم نہ کی، لیکن امت کے برابر جماعت قائم کرنے سے جماعتِ تراویح کے فرض ہونے کا قطعی کوئی اندیشہ نہیں۔ اس لیے خلیفۂ راشد حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جماعت اپنے عہد خلافت سے قائم کر دی۔ (۲) جس پر امت کا عمل جاری ہے۔ وجہ وہی ہے کہ بنیاد تھی "خوفِ افتراض" [فرض ہونے کا اندیشہ] وہ بدل گئی تو حکم بھی بدل گیا۔

اب اگر کوئی حدیثِ رسالت کے پیش نظر یہ کہے کہ حضور ﷺ نے تین دن سے زیادہ تراویح جماعت سے نہ پڑھی تو ہم بھی اسے تین دن سے زیادہ جماعت سے نہ پڑھیں گے۔ اور اسے اُسوۂ رسول کا اتباع سمجھے تو یہ بڑی نادانی ہوگی۔ اس طرح کی خام خیالی وہابیہ، غیر مقلدین کا شِعار ہے۔ اہل حق اہل سنت و جماعت تو "فقہِ دین" کی نعمت سے نوازے گئے ہیں۔ وہ ایسا نہیں سوچ سکتے۔

---

(۱)-صحیح مسلم شریف، ص:۲۵۹، ج:۱، باب الترغیب فی قیام رمضان وهو التروایح، مجلس البرکات.

(۲)-صحیح البخاری، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، ج:۱، ص:٦٨٥، مجلس البرکات.

شرعی احکام بدلنے کی سات بنیادیں ہیں

حکم کسی دلیلِ شرعی پر مبنی ہوتا ہے، مگر سات چیزیں ایسی ہیں جن کے باعث سابقہ حکم میں تبدیلی آجاتی ہے۔

وہ سات «شرعی بنیادیں» یہ ہیں: (۱)-ضرورت۔ (۲)-حاجت۔ (۳)-عمومِ بلویٰ۔ (۴)-عرف۔ (۵)-تعامل۔ (۶)-دینی ضروری مصلحت کی تحصیل (۷)-ازالۂ فساد۔ یہ فقہ اسلامی کے سات بنیادی اصول ہیں جو ہر دور میں اسلامی احکام میں آسانی و نرمی فراہم کرتے ہیں۔

مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے ایک جامع لفظ کے ذریعہ انھیں چھ میں منحصر فرمادیا ہے۔ آپ کے کلمات یہ ہیں:

"چھ باتیں ہیں جن کے سبب قولِ امام بدل جاتا ہے۔ لہٰذا قول ظاہر کے خلاف عمل ہوتا ہے۔ وہ چھ باتیں یہ ہیں:

(۱) ضرورت۔ (۲) دفع حرج۔ (۳) عرف۔ (۴) تعامل۔ (۵) دینی ضروری مصلحت کی تحصیل۔ (۶) کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ۔ ان سب میں بھی حقیقۃً قول امام ہی پر عمل ہے۔"[۱]

ان سات شرعی بنیادوں پر اگر فقہا حکم سابق سے عدول کرتے ہیں تو وہ بھی فی الواقع صاحب شرع اور صاحب مذہب کے ارشاد و مذہب پر ہی عمل مانا جاتا ہے، کیوں کہ ان بنیادوں کے بدلنے کے وقت اگر صاحب شرع یا صاحب مذہب موجود ہوتے تو وہ بھی یہی فرماتے جو اَب آپ کے وارثین و نائبین فقہا کہہ رہے ہیں۔

اور اگر کوئی فقیہ ان بنیادوں سے صرف نظر کر کے صاحب مذہب کے قولِ قوی و

---

(۱)-فوائد رضویہ بر حاشیہ فتاویٰ رضویہ: ج:۱، ص:۳۸۵، رسالہ اجلی الاعلام.

راجح سے عدول کرتا ہے تو وہ «اختلاف »[1] کرتا ہے، اور صاحب مذہب سے مقلد کا اختلاف غیر مقبول و نامعتبر ہے، یہی حکم مذہب کے اصحابِ ترجیح و تخریج سے اختلاف کا بھی ہے۔

حالات کے اثر سے احکام میں تبدیلی کے مناظر

اب ہم کچھ فقہی احکام نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں جو حالات کے بدلنے سے بدل گئے۔

یہ فقہی احکام کئی انواع کے ہیں:

پہلی نوع: عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کے احکام جو بعد کے اَدوار میں بدل گئے۔

دوسری نوع: فقہ حنفی کے احکام جو بعد میں آنے والے مشائخ حنفیہ کے عہد میں کبھی تبدیل ہوئے۔

تیسری نوع: مذہب حنفی کے بدلے ہوئے مسائل جن کے مطابق فقیہِ بے مثال امام احمد رضا قدس سرہ نے فتویٰ دیا، یا آپ کے فتوے سے حکمِ سابق میں تبدیلی ہوئی۔

چوتھی نوع: فتاویٰ رضویہ کے وہ مسائل جو بعد کے فقہاے اہل سنت کے نئے فتاویٰ اور فیصلوں کے ذریعہ بدلے۔

اب ہر نوع کے کچھ نمونے ملاحظہ فرمائیے تاکہ آپ کو یہ سمجھنے میں آسانی ہو کہ فقہِ حنفی میں کسی بھی دور میں جمود و تعطل کی گنجائش نہیں رہی ہے۔ اور اس نے ہر زمانے میں مذکورہ بالا ساتوں اصولوں کی بنیاد پر امت مسلمہ کی رہنمائی کی ہے۔

(۱)- «اختلاف » کیا ہے، اسے سمجھنے کے لیے پڑھیے راقم الحروف کا مضمون: جداگانہ احکام -اور- فقہی اختلافات کے حدود

(پهلی نوع)

عہد رسالت و عہد صحابہ کے بدلے ہوئے احکام

(۱)- اب شبہات سے بچنے کا حکم بدل گیا۔

صدرِ اول میں شبہات سے بھی بچنے کا حکم تھا مگر احوالِ ناس کے پیش نظر فقہا نے اس میں چھوٹ اور رعایت کی روش اپنائی۔ یہ بات فتاویٰ رضویہ کے نیچے دیے ہوئے اقتباس سے عیاں ہوتی ہے۔

"ہمارا زمانہ اِتّقاے شبہات (شبہات سے بچنے) کا نہیں ہے، بلکہ آدمی آنکھوں دیکھے حرام سے بچے:

فی فتاوی الإمام قاضی خان: قالوا: لیس زماننا زمانَ اجتناب الشّبهات وانّما علی المسلم أن یتقی الحرام المعَایَنَ. اھ.

وفی تجنیس الإمام برهان الدین عن ابی بکر بن ابراهیم: لیس هذا زمان الشبهات، انّ الحرام أغنانا یعنی إن اجتنبتَ الحرام كفاك. اھ ملخصًا.

(فتاویٰ امام قاضی خاں میں ہے کہ فقہا فرماتے ہیں کہ ہمارا زمانہ شبہات سے بچنے کا زمانہ نہیں ہے، اب مسلمان پر بس یہ فرض ہے کہ کھلے حرام سے بچے۔ اور تجنیسِ امام برہان الدین میں شیخ ابو بکر بن ابراہیم کے حوالے سے ہے کہ یہ شبہات سے بچنے کا زمانہ نہیں، ہمارے لیے حرام سے بچنا کافی ہے۔ نظام)

سبحان اللہ! جب چھٹی صدی بلکہ اس سے پہلے سے ائمۂ دین یوں ارشاد فرماتے آئے تو ہم پسماندوں کو اس چودھویں صدی میں کیا امید ہے فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

ایسی ہی وجوہ ہیں کہ حدیث میں آیا:

اِنّکم فی زمان مَن ترك منکم عُشر ما اُمِر به هلك. ثم یاتی زمانٌ مَن عمل منهم بعُشر ما اُمِر به نجا. أخرجه الترمذی وغیره عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ.

(تم لوگ ایسے اَخیار وصالحین کے زمانے میں ہو کہ تم میں سے کوئی حکم شریعت کے دسویں حصہ کو چھوڑ دے تو ہلاک ہو جائے گا، پھر اس کے بعد ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ ان میں سے کوئی حکم شریعت کے دسویں حصے پر عمل پیرا ہو تو بھی نجات پا جائے گا۔ اس حدیث کو امام ترمذی وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انھوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا۔ نظام)

ہاں.... جو شخص بچنا چاہے...... بہتر وافضل۔ اور نہایت محمود عمل، مگر اس کے وَرع کا حکم صرف اسی کے نفس پر ہے، نہ کہ اس کے سبب اصلِ شے کو ممنوع کہنے لگے یا جو مسلمان اسے استعمال کرتے ہوں ان پر طعن واعتراض کرے، انھیں اپنی نظر میں حقیر سمجھے اس سے تو اُس ورع کا ترک ہزار درجہ بہتر تھا کہ شرع پر افترا اور مسلمانوں کی تشنیع وتحقیر سے تو محفوظ رہتا...... بھلا عوام بے چاروں کی کیا شکایت، آج کل بہت جُہّال، منتسب بنامِ علم و کمال یہی روش چلتے ہیں، مکروہات بلکہ مباحات بلکہ مستحبات جنھیں بزعم خود ممنوع سمجھ لیں ان سے تحذیر وتنفیر کو کیا کچھ نہیں لکھ دیتے، حتیٰ کہ نوبت تا بہ اطلاقِ شرک وکفر پہنچانے میں باک نہیں رکھتے۔ پھر یہ نہیں کہ شاید ایک آدھ جگہ قلم سے نکل جائے تو دس جگہ اس کا تدارک عمل میں آئے۔ نہیں نہیں! بلکہ اسے طرح طرح سے جمائیں۔ اُلٹی سیدھی دلیلیں لائیں پھر جب مُواخذہ کیجیے تو ہوا خواہ بفحوائے "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" تاویل کریں کہ بنظرِ تخویف وترہیب تشدُّد مقصود ہے۔"(۱)

حالات کے بدل جانے سے احکام بدلنے کی یہ شہادت خود صاحب شرع، رسولِ کائنات، سرور دوعالم ﷺ دے رہے ہیں۔ جس میں حضور ﷺ کی طرف سے

(۱)-فتاویٰ رضویه، ج:۲، ص: ۱٤٠، ۱٤۱، باب الانجاس من کتاب الطهارة.

اپنے وارثینِ علم کے لیے یہ ہدایت بھی مضمر ہے کہ اچھے زمانے کے لوگوں کے احکام کو سامنے رکھ کر خراب اور برے زمانے کے لوگوں پر احکام مت صادر کر دینا۔

لہٰذا علمائے کرام کو خود صاحب عزیمت بننا چاہیے لیکن جو لوگ رخصت پر عمل کر رہے ہوں ان پر اعتراض و انکار نہیں کرنا چاہیے۔ کاش کہ ہمارے دینی بھائی اس مقام پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے جملہ ارشادات وہدایات کو اخلاصِ قلب کے ساتھ پڑھ کر اپنی زندگی کو اس کے سانچے میں ڈھالنے کی سعیِ محمود کرتے۔

روسر کی شکر سے متعلق اعلیٰ حضرت کا اپنا عمل
اور دوسروں کے لیے جواز کا فتویٰ

روسر کی شکر جس سے متعلق خبر تھی کہ اس کی صفائی ہڈیوں سے ہوتی ہے اس کی حلت و حرمت کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے سوال ہوا، تقریباً چالیس صفحات میں بہت سی اہم تحقیقات پر مشتمل تفصیلی جواب رقم فرمایا، اس سے فی الجملہ اس شکر کی حلّت ثابت ہوتی ہے۔ مگر یہ حکم دوسروں کو مشقت سے بچانے اور شریعت کی دی ہوئی آسانی پہنچانے کے لیے تھا۔ خود اپنا حال بعد میں یہ تحریر فرماتے ہیں:

"فقیر غفر الله تعالیٰ له نے آج تک اس شکر کی صورت نہ دیکھی، نہ کبھی اپنے یہاں منگائی، نہ آگے منگائے جانے کا قصد۔ مگر بایں ہمہ ہرگز ممانعت نہیں مانتا۔ نہ جو مسلمان استعمال کریں انھیں آثم (گنہگار) خواہ بے باک جانتا ہے۔ نہ تورُّع و احتیاط کا نام بدنام کر کے عوام مومنین پر طعن کرے۔ نہ اپنے نفسِ ذلیل، مَہین رذیل کے لیے ان پر ترفُّع و تعلّی روا رکھے۔ و بالله التوفیق۔"[1]

آخری جملہ بار بار پڑھیے۔ انکسار و تواضع کا کامل نمونہ بھی ہے اور درس عبرت بھی۔ خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو رخصت تو رخصت بتصریح خویش "معصیت" پر

(۱)-فتاویٰ رضویہ، ج:۲، باب الانجاس ص:۱۲۵، طبع اول، بریلی شریف.

عمل کرنے کے لیے بھی ہمہ وقت کمر بستہ رہتے ہیں اور دوسروں کے لیے نہ صرف عزیمت بلکہ ورَع کی پابندی لازم قرار دیتے ہیں۔ حضرۃ الامام قدس سرہ کے انداز فکر و عمل سے کس قدر دوری پیدا ہو چکی ہے۔

(۲)- پہلے تارکِ نماز کافر تھا اور اب مسلمان ہے

عہدِ رسالت اور عہد صحابہ میں قصداً نماز ترک کرنے والا کافر شمار ہوتا تھا کیوں کہ ان اَدوار میں تمام مسلمان نماز پڑھتے تھے اور سوائے کافر کے قصداً کوئی نماز ترک نہیں کرتا تھا، مگر بعد کے ادوار میں مسلمانوں کا یہ شعار بدل جانے کی وجہ سے حکم کفر باقی نہ رہا، لہٰذا اب تارکِ نماز کو کافر نہیں شمار کیا جاتا۔ فتاویٰ رضویہ میں فقیہ اسلام سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے متعدّد مقامات پر اس کی صراحت فرمائی ہے، ایک فتوے کا اقتباس آپ بھی ملاحظہ کریں۔

"بلا شبہہ صدہا صحابۂ کرام و تابعین عظام و مجتہدین اَعلام و ائمہ اسلام علیہم الرضوان کا بھی یہی مذہب ہے کہ قصداً تارکِ صلاۃ کافر ہے اور یہی متعدّد صحیح حدیثوں میں منصوص اور خود قرآن کریم سے مستفاد "وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ﴿۳۱﴾" نماز قائم کرو اور کافروں سے نہ ہو جاؤ۔

زمانۂ سلفِ صالح خصوصاً صدرِ اول کے مناسب یہی حکم تھا، اُس زمانہ میں ترکِ نماز علامتِ کفر تھا کہ واقع نہ ہوتا تھا مگر کافر سے، جیسے اب زُنّار باندھنا یا قشقہ لگانا علامتِ کفر ہے۔ جب وہ زمانۂ خیر گزر گیا اور لوگوں میں تہاوُن آیا وہ علامت ہونا جاتا رہا اور اصل حکم نے عود کیا کہ ترکِ نماز فی نفسہٖ کفر نہیں جب تک اسے ہلکا یا حلال نہ جانے یا فرضیتِ نماز سے منکر ہو، یہی مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔

حنفی کہ ظنی طور پر اس کے خلاف کا معتقد ہو خاطی ضرور ہے کہ اب یہ حکم خلاف تحقیق و نا منصور ہے مگر وہ اس کے سبب نہ معاذ اللہ گمراہ ٹھہرے گا نہ حنفیت سے خارج کہ مسئلہ فقہی نہیں اور اکابر صحابہ و ائمہ کے موافق ہے اور معترضین کا کہنا کہ "تم امام برحق

پر فتوے لگاؤ۔ "محض جہالت اور شانِ امام میں گستاخی ہے۔"[1]

فتاویٰ رضویہ کے اس اقتباس سے روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ:

(الف)- حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے، حکم عہد رسالت کا تھا جو فرمانِ رسالت سے جاری ہوا مگر اس پر بھی حالات کا گہرا اثر پڑا اور اب کوئی فقیہ وہ حکمِ کفر جاری نہیں کرتا، مگر کسی بھی فہم میں یہ وہم نہیں آتا کہ یہ فرمانِ رسالت سے اختلاف اور مسلک صحابہ سے انحراف ہے۔

(ب)- ساتھ ہی اس فتوے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اچھے زمانے کا حکم آج کے خراب زمانے کے لوگوں پر جاری نہیں کیا جا سکتا ورنہ قصداً ترکِ نماز کی بنا پر آج بے شمار لوگوں پر حکم کفر جاری کرنا پڑے گا۔

(ج)- اسی کے ساتھ ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ "شعارِ مذہبی" بھی بدل سکتا ہے کیوں کہ عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ میں ترک نماز کفار کا شعارِ مذہبی تھا جیسے زُنّار و قشقہ ان کا شعار مذہبی ہے مگر وہ شعار بدل گیا تو حکم بھی بدل گیا۔ لہٰذا شعارِ قومی و شعارِ مذہبی میں اس حیثیت سے فرق نہیں کرنا چاہیے۔

(د)- "اور یہ بات تو خصوصیت کے ساتھ ذہن میں رکھنے کی ہے کہ کوئی حنفی عالم اگر امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے خلاف ظنی طور پر تارک نماز کو کافر اعتقاد کرے تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی صراحت کے مطابق وہ حنفیت سے خارج نہ ہوگا، اور اس پر یہ اعتراض کہ "تم امام برحق پر فتوے لگاؤ" جہالت اور شانِ امام میں گستاخی ہے۔ یہ «درسِ رضا» ہر گھڑی یاد رکھیے اور اس سے غفلت ولا پروائی نہ کیجیے۔

(۳)- عہدِ صحابہ میں تارک جماعت منافق تھا، اب نہیں

عہد صحابہ کا عام معمول تھا کہ تمام صحابۂ کرام جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے اور سوائے منافقین کے کوئی جماعت سے غیر حاضر نہ رہتا تھا اِلّا یہ کہ کوئی بہت زیادہ

(۱)-فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۲۴۲، ۲۴۳، رضا اکیڈمی.

کمزور اور چلنے پھرنے سے عاجز ہو۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

لقد رأيتُنا وما يتخلّفُ عن الصّلاة الّا منافقٌ قَد عُلِم نفاقُهُ أو مريضٌ. إن كان المريض لَيمشي بين رَجلين حتى يأتي الصّلاة. وقال: اِنّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عَلّمَنَا سُنن الهدىٰ وَاِنّ مِن سُنن الهُدىٰ الصلاة في المسجد الذي يُؤذّنُ فيه.

ہمارا مشاہدہ ہے کہ نماز سے پیچھے نہیں رہتا مگر کھلا منافق، یا بیمار، اور بے شک بیمار کی یہ حالت ہوتی کہ دو شخصوں کے درمیان میں چلا کر نماز کو لاتے، اور فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم کو سُنن الہدیٰ کی تعلیم فرمائی ہے اور جس مسجد میں اذان ہوتی ہے اس میں نماز پڑھنا سُنن الہدیٰ سے ہے۔ [1]

یہ حدیث بہارِ شریعت میں بھی منقول ہے۔

مگر بعد کے ادوار میں کسی وقت یہ عادت تبدیل ہوگئی اور اب تو بے شمار مسلمان بغیر عذر و بیماری کے جماعت میں حاضر نہیں ہوتے، اس لیے اب جماعت سے پیچھے رہ جانے والے کو منافق نہیں کہا جا سکتا گو کہ عہد صحابہ میں وہ منافق ہوا کرتا تھا۔

فتاویٰ رضویہ میں اسے "فاسق" کہا گیا ہے: چناں چہ ایک فتوے میں ہے: "ترکِ جماعت اور ترکِ حاضریِ مسجد کا عادی فاسق ہے، اور فاسق قابل اتباع نہیں۔" [2]

نیز اسی میں ایک دوسرا فتویٰ ہے:

"تارکِ جماعت کہ بے کسی عذرِ شرعی قابل قبول کے قصداً جماعت میں حاضر نہ ہو مذہب صحیح معتمد پر اگر ایک بار بھی بالقصد ایسا کر گیا، گنہ گار ہوا، تارکِ واجب ہوا و العیاذ

(۱)-صحيح مسلم شريف، ج:۱، ص:۲۳۲، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلّف عنها، مجلس البركات.
(۲)-فتاویٰ رضويه، ج:۳، ص:۳۸۰، سني دارالاشاعت، مبارك پور.

باللہ تعالیٰ. اور اگر عادی ہو کہ بارہا حاضر نہیں ہوتا اگرچہ بارہا حاضر بھی ہوتا ہو تو بلا شبہہ فاسق وفاجر، مردودُالشہادۃ ہے۔"فان الصغيرة بعد الإصرارِ كبيرة"[1]

یہ حکم عہد صحابہ کا ہے جو حالات کے بدلنے سے یقیناً بدل چکا ہے اور اس سے بھی وہ امور بہت واضح طور پر ثابت ہوتے ہیں جو فتاویٰ رضویہ کے اول الذکر فتوے سے ثابت ہوتے ہیں، فرق صرف کفرونفاق کا ہے مگر جب منافق کا نفاق بیّن اور کھلا ہوا ہو تو وہ بھی کافرِ مُجاہر کی طرح ہوجاتا ہے اور اس میں تو کوئی کلام نہیں کہ وہ بھی کافر ہی ہے۔

(۴)- عورتوں کی حاضریِ جمعہ و جماعت پر عہد بہ عہد بدلتے ہوئے احکام

حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں خواتین کو جمعہ و جماعت میں شرکت کی اجازت تھی۔

قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَاذَنَتْ أَحَدَكُمْ امْرَأَتُهُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعَنَّهَا.[2]

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی کی عورت اس سے مسجد جانے کی اجازت لے تو وہ ہرگز اسے نہ روکے۔)

لَا تَمْنَعُوْا إِمَآءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ.[3]

(اللہ کی باندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔)

ایک صحابیہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے:

أَمَرَنَا أَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيْدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ

(۱)-فتاویٰ رضویہ، ج:۳، ص:٣٤٦، سنی دارالاشاعت، مبارك پور.
(۲)-فتاویٰ رضویہ، جلد اول، ص:۳۸٦، رساله أجلى الإعلام، بحواله احمد و بخاری و نسائی.
(۳)-فتاویٰ رضویہ، جلد اول، ص:۳۸٦، رساله أجلى الإعلام، بحواله احمد مسلم، ابوداؤد وبخاری کتاب الجمعه.

فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ، وَتَعْتَزِلَ الْحُيَّضُ عَنْ مُّصَلَّاهُنَّ قَالَتِ امْرَأَةٌ: يَارَسُوْلَ اللهِ، إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ: لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا.

نبی کریم ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ عیدین کے روز حائضہ عورتیں اور پردہ نشین دوشیزائیں بھی نکلیں مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعا میں حاضر ہوں۔ البتہ حائضہ عورتیں مصلے سے الگ رہیں۔ ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم میں سے کسی عورت کے پاس چادر نہیں ہوتی؟ تو آپ نے فرمایا کہ ساتھ والی اسے بھی اپنی چادر اُڑھا دے۔ (۱)

پہلی دو روایتوں سے حاضریِ جماعت کی اجازت، اور تیسری روایت سے حکم ثابت ہوتا ہے۔ (گو یہ حکم استحبابی ہی ہو) اور یہ تعمیم بھی کہ بلا استثنا تمام بالغ عورتیں جمعہ و جماعت پنج گانہ و عیدین میں حاضر ہوں البتہ حیض والی عورتیں عید گاہوں سے دور رہیں ان کی حاضری صرف حصولِ برکت و دعا کے لیے ہے۔

لیکن عہد فاروقی میں جب زمان برکت نشان کی سی سعادت اور سادگی باقی نہ رہی اور خلیفۂ برحق سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں کچھ فساد کے آثار محسوس فرمائے تو عورتوں کی حاضریِ جماعت کی ممانعت فرمادی۔

امام اکمل الدین بابرتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

لَقَدْ نَهٰى عُمَرُ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ النِّسَآءَ عَنِ الْخُرُوْجِ إِلَى الْمَسَاجِدِ فَشَكَوْنَ اِلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا فَقَالَتْ: لَوْ عَلِمَ النَّبِيُّ ﷺ مَا عَلِمَ عُمَرُ مَا أَذِنَ لَكُنَّ فِي الْخُرُوْجِ. (۲)

---

(۱)-فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم، ص:۱۶۹، (مطبع سنی دارالاشاعت مبارکپور) بحوالہ صحیح بخاری شریف و صحیح مسلم شریف.
(۲)-فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم، ص:۱۷۰، (مطبع سنی دارالاشاعت مبارکپور) بحوالہ عنایہ شرح ہدایہ.

(حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کو مسجد جانے سے روک دیا تو انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں شکایت کی۔ آپ نے فرمایا اگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ حالات مشاہدہ فرماتے جو حضرت عمر مشاہدہ کر رہے ہیں تو وہ تم کو مسجد جانے کی اجازت نہ عطا فرماتے۔)

غور فرمائیے: سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کی حاضری جماعت کو کتنا پسند فرما رہے ہیں کہ مردوں کو منع فرما رہے ہیں کہ عورتوں کو جماعتِ مسجد کی حاضری سے نہ روکیں، اور عورتوں کو حکم دے رہے ہیں کہ وہ جماعتِ عیدین میں بہر حال حاضر ہوں مگر حالات میں تھوڑا سا فرق آتے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں روک دیا اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس سے اتفاق فرمایا تو کیا صحابۂ کرام نے عہد رسالت کے متفق علیہ حکم اور فرمانِ رسالت سے اختلاف کیا؟ یہ تو کوئی سنّی سوچ بھی نہیں سکتا۔

(۵)-عہد تابعین میں فقہاے حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم بالخصوص سراج الامۃ، کاشف الغمہ، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوڑھی عورتوں کو عشا و فجر میں مسجد میں حاضری کی اجازت دے دی کہ اس وقت فُسّاق و فُجار کھانے اور سونے میں مشغول رہتے تھے تو فساد کا امکان وہ بھی بوڑھیوں کے لیے کم تھا۔

وَ يُكرهُ لَهُنَّ حُضُوْرُ الْجَمَاعَات وَلَا بَأسَ لِلعَجُوْزِ أنْ تَخْرُجَ فِي الْفَجْرِ وَالْعِشَآءِ. [1]

(عورتوں کے لیے جماعت کی حاضری منع ہے۔ اور بوڑھی عورتوں کو عشا و فجر میں نکلنے میں کوئی حرج نہیں۔)

یہ حکم بھی بلا شبہہ عہد رسالت کے حکم سے الگ ہے مگر یقیناً یہ بھی حضرت شارع علیہ الصلاۃ والسلام سے اختلاف نہیں، بلکہ حالات کے بدلنے سے حکم کا بدل جانا ہے۔

(۶)-اور بعد میں لوگوں کے حالات جب آپ کے عہد سے زیادہ برے ہو گئے

(۱)-هدايه اولين، ص:۱۰۵.

کہ ان کے فسق وفجور سے کوئی بھی وقت محفوظ نہ رہا، تو متأخرین فقہا نے بغیر کسی استثنا کے تمام عورتوں کے لیے علی الاطلاق ہر نماز کی حاضری کو فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد کی طرح سے منع فرمادیا۔

وَلَمَّا رَدَّ عَلَيْهِ البَحْرُ بِأَنَّ هٰذِهِ الفَتْوىٰ مُخَالِفَةٌ لِمَذْهَبِ الاِمَامِ وَصَاحِبَيْهِ جَمِيْعًا. فَإِنَّهُمَا اَبَاحَا لِلْعَجَائِزِ الْحُضُوْرَ مُطْلَقًا وَالاِمَامَ فِيْ غَيْرِ الظُّهْرِ وَالعَصْرِ وَالْجُمُعَةِ. فَالْإِفْتَاءُ بِمَنْعِ الْكُلِّ فى الكل مُخَالِفٌ لِلْكُلِّ فَالْمُعْتَمَدُ مَذْهَبُ الْإِمَامِ. إهـ بِمَعْنَاهُ.

أَجَابَ فِي النَّهْرِ قَائِلًا: فِيْهِ نَظَرٌ بَلْ هُوَ مَاخُوْذٌ مِّنْ قَوْلِ الْإِمَامِ وَذٰلِكَ أَنَّهُ اِنَّمَا مَنَعَهَا لِقِيَامِ الحَامِلِ وَهُوَ فَرْطُ الشَّهْوَةِ بِنَاءً عَلىٰ أَنَّ الفَسَقَةَ لَا يَنْتَشِرُوْنَ فِي الْمَغْرِبِ لِأَنَّهُمْ بِالطَّعَامِ مَشْغُوْلُوْنَ وَفِي الفَجْرِ وَالعِشَاءِ نَائِمُوْنَ. فَاِذَا فُرِضَ انْتِشَارُهُمْ فِي هٰذِهِ الْاَوْقَاتِ لِغَلَبَةِ فِسْقِهِمْ كَمَا فِي زَمَانِنَا بَلْ تَحَرِّيْهِمْ إِيَّاهَا كَانَ الْمَنْعُ فِيْهَا اَظْهَرَ مِنَ الظُّهْرِ اه.

قَالَ الشَّيْخُ إِسْمٰعِيْلُ وَهُوَ كَلَامٌ حَسَنٌ إِلَى الغَايَةِ. اه.ش. (۱)

(اور صاحب بحر الرائق نے جب متاخرین پر یہ اعتراض کیا کہ ان کا یہ فتویٰ امام اعظم اور صاحبین سب کے مذہب کے خلاف ہے کیوں کہ صاحبین نے بوڑھی عورتوں کے لیے مسجد کی حاضری کو مطلقاً مباح قرار دیا ہے، اور امام اعظم نے ظہر، عصر، اور جمعہ کے علاوہ میں اجازت دی ہے تو تمام عورتوں کو سارے اوقات میں حاضری سے روکنا سب کے خلاف ہوا۔ لہٰذا لائق اعتماد امام کا مذہب ہے۔

تو نہر الفائق میں علامہ بحر کے اس تبصرے کو قابل غور قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ متأخرین کا یہ مسلک، امام ہی کے قول سے ماخوذ ہے کیوں کہ امام نے عورتوں کو ایک علت

(۱)-فتاویٰ رضویہ. جلد اول، ص:۳۸٦، رسالہ اجلی الاعلام.

یعنی فُسّاق میں شہوت (پرستی) کی حد سے زیادتی کی وجہ سے اس بنا پر منع فرمایا تھا کہ یہ ناخدا ترس مغرب کے وقت میں باہر نہیں رہتے، کیوں کہ کھانے میں مشغول ہوتے ہیں اور فجر و عشا کے اوقات میں سوئے ہوتے ہیں مگر اب غلبۂ فسق کے باعث ان اوقات میں بھی پھیلے رہتے ہیں بلکہ ایسے ہی اوقات کی جستجو میں لگے رہتے ہیں جیسا کہ ہمارے زمانے کا یہی حال ہے تو ان اوقات میں ممانعت کا حکم بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہیے۔

علامہ شیخ اسماعیل فرماتے ہیں یہ بڑی ہی اچھی بات ہے۔)

یہ ہے حالاتِ زمانہ کی رعایت کہ ایک ہی مسئلے میں تین بار تبدیلیِ احکام کا منظر دنیا کی نگاہوں نے دیکھا۔ ایک بار تو یہ تبدیلی خود خلیفۂ رسول اللہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے ظہور میں آئی جو بظاہر عہدِ رسالت کے تعامل کے خلاف تھی۔ دوسری تبدیلی عہدِ تابعین میں سراج الامۃ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوے سے ہوئی اور تیسری بار تغییر کا یہ حکیمانہ کارنامہ فقہاے حنفیہ نے انجام دیا۔ مگر مصالحِ شریعت پر نظر رکھنے والے خوب سمجھتے ہیں کہ یہ منشاے رسالت کے مطابق ہے اس کے خلاف تو وہ کہتے اور سمجھتے ہیں جو صحابہ و تابعین سب کی پیروی سے آزاد ہیں اور وہابیت کے آسیب نے انھیں مخبوط کر دیا ہے۔ اہل سنت کو تو صحابہ و تابعین اور امام اعظم کی روش اپنانی چاہیے۔

(۷)- پہلے چہرے کا پردہ واجب نہ تھا، اب واجب ہے

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں عورتوں پر چہرے کا پردہ واجب نہ تھا کیوں کہ وہ زمانہ بڑے تقویٰ اور خوفِ خدا کا تھا، عام طور پر لوگ گناہ سے بچتے تھے۔ مگر جب حالاتِ زمانہ بدل گئے تو حکم بھی بدل گیا اور علما نے «چہرہ چھپانے کا وجوبی حکم» صادر فرمادیا۔[1] اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

(۱)- واضح ہو کہ آیتِ کریمہ «یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ» میں سر ڈھانکنے کا وجوبی حکم دیا گیا ہے۔ پوری آیت یہ ہے: «یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ» [اے نبی! اپنی بیبیوں اور صاحب زادیوں اور مومنین

"ہماری شریعت مطہرہ اعلیٰ درجۂ حکمت و متانت و مُراعاتِ دقائق مصلحت میں ہے، اور جو حکم عرف و مصالح پر مبنی ہوتا ہے انھیں چیزوں کے ساتھ دائر رہتا ہے، اور اعصار میں ان کے تبدیل سے متبدل ہوجاتا ہے اور وہ سب احکام، احکامِ شرع ہی قرار پاتے ہیں۔ مثلاً: زمانِ برکت نشان حضور سرور عالم ﷺ میں بوجہ کثرت خیر و نایابیِ فتنہ و شدت تقویٰ و قوتِ خوفِ خدا عورتوں پر ستر واجب تھا نہ حجاب۔.... پھر....رفتہ رفتہ حاملانِ شریعت و حکماے امت نے حکمِ حجاب دیا اور چہرہ چھپانا کہ صدر اول میں واجب نہ تھا واجب کر دیا۔" نہایہ میں ہے:

سدل الشئ علی وجهها واجبٌ.

(عورت کو اپنے چہرے پر نقاب وغیرہ کوئی چیز ڈالنا واجب ہے۔ نظام)

شرح لباب میں ہے:

دَلّتِ المسئلة علىٰ أنّ المرأة مَنْهِيَّةٌ عَلىٰ إظهارِ وَجْهِهَا لِلأجانب بلا ضرورة.

(یہ مسئلہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کا اجنبی مردوں کے سامنے بلا ضرورت اپنا چہرہ کھولنا ممنوع ہے۔ نظام)

تنویر میں ہے: تُمنع من كشف الوجه بين رجالٍ لخوف الفتنة.

کی عورتوں سے فرما دیجیے کہ اپنے اوپر اپنی اوڑھنیاں لٹکا لیں، یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ وہ پہچانی جائیں گی اور ان کو ایذا نہیں دی جائے گی۔] (۵۹، سورۃ الاحزاب ۳۳)

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ دوپٹے اوڑھنے کا حکم اس لیے ہے تاکہ پتہ چلے کہ وہ حُرّہ ہیں اور (باندی سمجھ کر) کوئی فاسق ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کرے۔ اور ابنِ عباس و مجاہد رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حُرّہ باہر نکلتے وقت اپنی پیشانی اور سر ڈھک لے۔ اور حضرت عمر سے روایت ہے کہ وہ باندیوں کو مار مار کر فرماتے کہ اپنے سر کھلے رکھو اور آزاد عورتوں سے مشابہت نہ اختیار کرو۔ (احکام القرآن للجصاص، ص:۴۲۵، ج:۵، دار احیاء التراث العربی)

بہارِ شریعت میں ہے: "اجنبیہ عورت کے چہرے کی طرف اگرچہ نظر جائز ہے، جب کہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو، مگر یہ زمانہ فتنہ کا ہے، اس زمانے میں ایسے لوگ کہاں جیسے اگلے زمانے میں تھے، لہٰذا اس زمانے میں اس کو دیکھنے کی ممانعت کی جائے گی، درِ مختار، ردالمحتار (بہارِ شریعت، ص:۴۴۶، ج:۱۶) محمد نظام الدین غفرلہ

(عورت کو مردوں کے درمیان اپنا چہرہ کھولنے سے اندیشۂ فتنہ کی وجہ سے ممانعت ہے۔ نظام)(۱)

عہد رسالت کا حکم بجائے خود کس قدر اہمیت کا حامل ہے اس سے ہمارے تمام عوام و خواص آگاہ ہیں، کیا کوئی سنّی اس سے اختلاف یا انحراف کی بات سوچ سکتا ہے؟

پھر بھی یہ ایک زمینی حقیقت ہے کہ جو چیز عہد رسالت میں واجب نہ تھی وہ بعد کے اَدوار میں کسی وقت واجب کر دی گئی اور آج کے ہمارے فقہاے اہل سنت بھی اسے واجب ہی مانتے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ عہد رسالت کے حکم سے اختلاف یا انحراف نہیں ہے بلکہ حالات زمانہ کے اختلاف کی وجہ سے شریعت نے خود ہی یہ اختلاف حکم تسلیم کر لیا ہے اور فقہا نے تو محض اس حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھایا ہے۔

(۸-۹)-اب صَرف و نحو کی تعلیم اور انگرکھا کا سیدھا پردہ واجب

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

واجبات اور محرمات ہماری شریعت میں دو قسم ہیں۔ ایک «لِعَیْنِہٖ» یعنی جس کی نفسِ ذات میں مُقتضیِ ایجاب و تحریم موجود ہے، جیسے عبادتِ خدا کی فرضیت اور بُت پرستی کی حرمت۔ دوسرے «لِغَیْرِہٖ» یعنی وہ کہ امورِ خارجہ کا لحاظ ان کی ایجاب و تحریم کا اقتضا کرتا ہے، اگرچہ نفسِ ذات میں کوئی معنیٰ اس کو مقتضی نہیں، جیسے تعلیمِ صَرف و نحو کا وجوب کہ ہمارے رب تبارک و تعالیٰ کی کتاب اور ہمارے نبی ﷺ کا کلام زبانِ عربی میں ہے، اور اس کا فہم بے اس علم کے متعذّر، لہٰذا واجب کیا گیا، اور افیون اور بھنگ وغیرہما مُسکِرات کی حرمت کہ ان کا پینا ایک ایسی نعمت یعنی عقل کو زائل کرتا ہے جو ہر خیر کی جالب اور ہر فتنہ و شر سے بچانے والی ہے۔

اسی قبیل سے ہے «شِعار» کہ مثلاً انگرکھے کا سیدھا پردہ ہماری اصل شریعت میں

(۱)-فتاویٰ رضویہ. ج:۸، ص:۴۴۳، ۴۴۴، رسالہ اَنفس الفِکر، سنی دارالاشاعت، مبارک پور.

واجب نہیں، بلکہ ہمارے شارع ﷺ نے کبھی انگرکھا نہ پہنا، نہ حضور ﷺ کے ملک میں اس کا رواج تھا، مگر اب کہ ملک ہندوستان میں شعارِ مسلمین قرار پایا اور اُلٹا پردہ کفّار کا شعار ہوا، تو اب سیدھا پردہ چھوڑ کر الٹا اختیار کرنا بلا شبہہ حرام۔[1]

علمِ صَرف و نحو کا سیکھنا، سکھانا عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ میں واجب نہ تھا اور اب واجب ہے۔ یوں ہی انگرکھا کا سیدھا یا الٹا پردہ صرف مباح تھا، مگر اب سیدھا پردہ واجب اور الٹا پردہ حرام ہے۔

یہ ہے حالاتِ زمانہ کی اثر انگیزی کا کمال کہ جو چیز عہدِ رسالت میں واجب نہ تھی، حالات کے بدلنے سے واجب ہو گئی، اور جو چیز مباح تھی اب حرام قرار پائی۔

کیا یہ «خیر القرون» بالخصوص «قَرنِ نبوی» سے اختلاف یا انحراف ہے، ایسا تو کوئی صاحبِ بصیرت عالمِ دین وفقیہ سوچ بھی نہیں سکتا تو اگر آج کچھ فقہاے محققین اسے «اُسوہ» مان کر وہی راہ راست اپنائیں تو اسے بھی حالاتِ زمانہ کا اثر سمجھنا چاہیے اور اختلاف یا انحراف کا دل میں وسوسہ گزرے تو اسے زبان وقلم پر لانا معیوب سمجھنا چاہیے۔

(۱۰)- عہدِ رسالت میں جوتے پہن کر مسجد میں جانا جائز، اور اب ناجائز

عہد رسالت میں جوتے پہن کر نماز پڑھنا جائز اور موافق ادب تھا، خود حضور سید المرسلین ﷺ اپنے نعلین شریفین کے ساتھ نماز پڑھ لیتے۔ صحابۂ کرام سے بھی جوتے پہن کر نماز پڑھنا ثابت ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ شریف ج:۳، ص:۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۵، ۴۵۰، سے ثابت ہے۔ مگر اب لوگوں کا عرف اور حال بدل جانے کی وجہ سے ممنوع اور خلاف ادب ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ایک مقام پر ہے:

---

(۱)-فتاویٰ رضویہ. ج:۸، ص:٤٤٤، رسالہ اَنفس الفِکر، سنی دار الاشاعت، مبارک پور.

"اور مسجد میں تو استعمالی جوتے پہنے جانا بھی ممنوع و ناجائز ہے، نہ کہ مسجد میں یہ جوتا پہنے شرکتِ جماعت۔" (۱)

نیز فتاویٰ رضویہ میں ہی ایک دوسرے مقام پر ہے:

مسجد میں جوتا پہن کر جانا خلاف ادب ہے۔ فتاویٰ سراجیہ و فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

"دخول المسجد متنعّلًا مکروہ."اھ.

(مسجد میں جوتے پہنے داخل ہونا مکروہ ہے۔)

ردالمحتار میں عمدۃ المفتی سے ہے:

دخولُ المسجد مُتَنَعِّلًا من سوء الأدب. اھ.

(مسجد میں جوتا پہنے جانا بے ادبی ہے۔)

ادب کی بنا عرف و رواج ہی پر ہے اور وہ اختلاف زمانہ و ملک و قوم سے بدلتا ہے۔ عرب میں باپ سے انت کہہ کر خطاب کرتے ہیں یعنی تو — زمانۂ اقدس نبی ﷺ میں بھی یوں ہی خطاب ہوتا تھا۔ سیدنا اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے والد ماجد سیدنا ابراہیم شیخ الانبیا، خلیل کبریا علیہ الصلاۃ والسلام سے عرض کی "اے میرے باپ تو کر جس بات کا تجھے حکم دیا جاتا ہے۔" اب اگر کوئی بے ادب اسے حجت بنا کر اپنے باپ کو تو تو کہا کرے ضرور گستاخ، مستحق سزا ہے۔ نماز حاضریِ بارگاہ بے نیاز ہے کسی نواب کے دربار میں تو آدمی جوتا پہن کر جائے۔" (۲)

عرفِ ناس اور حالات زمانہ کا شرعی احکام پر کتنا گہرا اثر پڑتا ہے اس کا اندازہ اس فتوے سے لگایا جاسکتا ہے کہ جو بات عہد رسالت و عہد صحابہ میں موافق ادب تھی وہ بھی مسجد اور نماز کا ادب، وہ آج کے عہد میں خلافِ ادب ہو گئی اور اس کی بنیاد پر حکم شرع بھی "جواز" کی جگہ "عدمِ جواز" ہو گیا۔

(۱)-فتاویٰ رضویہ. ج:۳، ص:٤٤٤، سنی دارالاشاعت، مبارك پور.
(۲)-فتاویٰ رضویہ. ج:۳، ص:٤٥٠، سنی دارالاشاعت، مبارك پور.

(۱۱)- عہد رسالت میں تعلیم قرآن پر اجرت لینا حرام، اب حلال

تعلیم قرآن پر اجرت لینا عہد رسالت میں حرام تھا مگر بعد کے ادوار میں کسی وقت اس کی اجازت ہوگئی۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے: "قرآن کریم پر اجرت لینے سے نہی میں احادیث کثیرہ وارد، یہاں تک کہ حدیث اقدس میں ہے تعلیم قرآن پر عُبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک کمان بھیجی گئی انھوں نے خیال کیا کہ یہ کوئی مال نہیں اور جہاد میں کام دے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی۔ فرمایا: إن اَرَدْتَّ ان يُّطوِّقَك الله طوقاً من النّار فَاقبَلْها.

(اگر تو چاہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے گلے میں آگ کا طوق ڈالے تو اسے لے لے۔)

رواه ابوداؤد و ابن ماجه، وفی الباب عن عبد الرحمٰن بن شبل وابی هريرة و عبد الرحمٰن بن عوف واُبی بن کعب وابن بريدة وابی الدرداء وغيرهم رضی الله تعالیٰ عنهم.

اور قیاس بھی اسی پر شاہد: لان القربة متی حصلت وقعت عن العامل ولهذا يعتبر اهليته فلا يجوز اخذ الأجرة من غيره كالصوم والصلاة كما فی الهداية.

اور ہمارے علماے کرام کا مذہب بھی تحریم اور صدر اول میں قطعًا رواج معدوم۔ بایں ہمہ عرف حادث و ضرورت کے سبب جواز پر فتویٰ ہوا۔ "بستان الفقه إمام ابی الليث" میں ہے:

اما اذا عَلَّمَ بالاجرة فقد اختلف الناس، فقال اصحابنا المتقدمون: لايجوز أخذ الأجرة، وقال جماعة من علماء المتأخرين: يجوز فالا فضلُ ان لا يشترط للحفظ بل لتعليم الهجاء والكتابة فلو شرط لتعليم القراٰن ارجو ان لا بأس به لاَنَّ النَّاس قد توارثوا ذلك واحتاجوا اليه. اھ مختصراً.

(اجرت پر قرآن حکیم کی تعلیم دینے کے بارے میں فقہاے کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ ہمارے فقہاے متقدمین فرماتے ہیں کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا ناجائز ہے اور علماے متاخرین کی ایک جماعت اجازت دیتی ہے۔ تو افضل یہ ہے کہ حفظ قرآن کے لیے اجرت کی شرط نہ لگائی جائے بلکہ ہجے اور لکھنا سکھانے کے لیے اجرت طے کی جائے اور اگر تعلیم قرآن کے لیے اجرت کی شرط رکھی تو مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہ ہوگا، اس لیے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے سلسلے میں مسلمانوں کا عمل پہلے سے جاری ہے اور اس کی حاجت بھی ہے۔ نظام)[1]

جو کام عہد رسالت میں حرام تھا وہ حالات زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے حلال ہو گیا، یہ فرمان رسالت سے اختلاف نہیں، نہ ہی کسی سنّی کو اس کا خیال گزرتا ہے کیوں کہ یہ "شریعت کے مصالحِ سبعہ" میں سے کسی ایک کے مطابق ہے۔

(۱۲)- عہد رسالت میں بٹائی پر زمین دینا حرام تھا، اب حلال ہے

عہد رسالت میں بٹائی پر زمین دینے کی ممانعت تھی اور اب اجازت ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"بٹائی پر زمین اٹھانے سے احادیث صحیحہ معتبرہ میں منع وارد، یہاں تک کہ حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: من لم یذر المخابرة. فلیؤذن بحربٍ من الله ورسولهٖ. جو بٹائی نہ چھوڑے وہ اللہ و رسول سے لڑائی کا اعلان کرے۔ رواه ابوداؤد و الطحاوی. وفی الباب عن رافع بن خدیج و ثابت بن الضحاك وزید بن ثابت و انس بن مالك وابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین.

اور قیاس بھی بوجوہ کثیرہ اسی کا مساعد، ولہٰذا ہمارے امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ باتباعِ جماعتِ

(۱)-فتاویٰ رضویه. ج:۸، ص:۲۱۲، سنی دارالاشاعت.

صحابہ و تابعین محرّمین مانعین، حرام و فاسد جانتے ہیں۔ بایں ہمہ صاحبین نے بوجہِ تعامل اجازت دی اور اسی پر فتویٰ قرار پایا۔

ہدایہ میں ہے:

قال ابو حنيفة رحمة الله تعالىٰ عليه: المزارعةُ بالثُّلث والرُّبُع باطلة. وقالا جائزة. له: ماروى أنّه صلّى الله تعالىٰ عليه وسلم نهى عن المخابرة وهى المزارعة...... إلّا ان الفتوى على قولهما لحاجة الناس اليها ولظهور تعامل الأمّة بها والقياسُ يترك بالتّعامل كما فى الاستصناع . اھ مختصرًا.

(ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تہائی اور چوتھائی پیداوار کے بدلے میں کھیت بٹائی پر دینا باطل ہے اور صاحبین۔ امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ۔ نے فرمایا کہ بٹائی جائز و صحیح ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھیت بٹائی پر دینے سے ممانعت فرمائی ہے۔...... مگر فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے کیوں کہ لوگوں کو بٹائی کی حاجت ہے اور اس پر امت کا تعامل بھی ظاہر و عام ہے اور قیاس تعامل کی وجہ سے ترک کر دیا جاتا ہے جیسا کہ استصناع یعنی «فرمائشی بیع» میں قیاس کو تعامل عام کی وجہ سے ترک کر دیا گیا ہے۔ عبارت اختصار کے ساتھ ختم ہوئی۔ نظام)[1]

جب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بٹائی سے ممانعت فرمادی تو ظاہر ہے کہ خیر القرون بالخصوص عہد صحابہ میں اس پر عمل ہوا ہوگا اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب بھی ہے، پھر بعد میں کسی وقت اس میں تبدیلی ہوئی جو یقیناً حالات زمانہ کے بدلنے کا اثر ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل خیر میں اس کے باعث کبھی کوئی ہیجان بپا نہ ہوا تو ہمیں بھی انھیں کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔

(۱)-فتاوىٰ رضويه. ص:۱۱۲، ۲۱۳، ج:۸، رساله المنىٰ والدُّرر، سنى دارالاشاعت، مبارك پور.

(دوسری نوع)

فقہ حنفی کے احکام

جو بعد میں آنے والے مشائخ حنفیہ کے عہد میں تبدیل ہوئے

اس نوع کے مسائل بے شمار ہیں: چند ملاحظہ فرمائیے:

(۱)- یہودیوں کی پوشاک طیلسان پہلے ناجائز تھی اور اب جائز

طیلسان ایک خاص قسم کی چادر ہے جسے کسی زمانے میں صرف یہود استعمال کرتے تھے۔ اس لیے علمانے مسلمانوں کو اس کے استعمال سے ممانعت فرمادی تھی، پھر جب یہ چادر یہودیوں کا شعار نہ رہ گئی تو اجازت دے دی۔ فتاویٰ رضویہ کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے: امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

امّا ما ذکرہ ابن القیم من قصۃ الیہود فقال الحافظ ابن حجر: انما یصحّ الاستدلال بہ فی الوقت الذی تکون الطّیالسۃ من شعارھم وقدار تفع ذلک فی ھذہ الأزمنۃ فصار داخلاً فی عموم المباح وقد ذکرہ ابن عبد السلام رحمہ اللہ تعالیٰ فی امثلۃ البدعۃ المباحۃ اھ.

(ترجمہ: ابن القیم نے یہودیوں کا جو قصہ ذکر کیا ہے اس کے بارے میں علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے استدلال اس زمانے میں درست ہوتا جب طیلسان چادریں ان کا شعار تھیں اور اس زمانے میں وہ چادریں ان کا شعار نہ رہیں اس لیے ان کا استعمال مباح ہے اور امام ابن عبد السلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے بدعت مباحہ کی مثالوں میں ذکر کیا ہے۔)[۱]

---

(۱)-فتاویٰ رضویہ ص:۹۱، ج:۹/ مواہب لدنیہ، ج:٦، ص:۳۱۱، باب صفۃ ازارہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، برکات رضا پور بندر، گجرات.

جو حکم فقہ اسلامی میں ناجائز و ممنوع تھا، وہ حالات کے بدل جانے کے باعث بعد میں جائز و مباح ہو گیا۔

(۲)-خطاے اعراب کے حکم میں تبدیلی

خطا فی الاعراب کے باب میں ہمارے ائمہ مذہب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مسلک یہ ہے کہ اگر اعراب کی غلطی سے معنی میں فساد آجائے تو نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

وَالْقَاعِدَةُ عِنْدَ الْمُتَقَدِّمِيْنَ أَنَّ مَا غَيَّرَ الْمَعْنٰى تَغْيِيْرًا يَّكُوْنُ اعْتِقَادُهُ كُفْرًا يُفْسِدُ سَوَاءٌ كَانَ فِي الْقُرْاٰنِ أَوْلَا وَاِن لَّمْ يَكُنِ التَّغْيِيْرُ كَذٰلِكَ، فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مِثْلُهُ فِي الْقُرْاٰنِ وَالْمَعْنٰى بَعِيْدٌ مُتَغَيِّرٌ تَغَيُّرًا فَاحِشًا يُفْسِدُ أَيْضًا وَإِنْ كَانَ مِثْلُهُ فِي الْقُرْاٰنِ وَالْمَعْنٰى بَعِيْدٌ وَلَمْ يَكُنْ مُتَغَيِّرًا فَاحِشًا تفسد أَيْضًا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ. اھ ملخصًا. [1]

متقدمین کا ضابطہ یہ ہے کہ جس غلطی سے معنی ایسا بدل جائے کہ اس کا اعتقاد کفر ہو تو خواہ وہ لفظ قرآن پاک میں ہو، یا نہ ہو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر تبدیلی ایسی تو نہ ہو مگر اس کا مثل لفظ بھی قرآن پاک میں نہ ہو اور معنیٰ دور از مقصود ہو، نیز قبیح حد تک بدل جائے تو یہ غلطی بھی نماز کو فاسد کر دے گی۔ اور اگر اس کا مثل قرآن حکیم میں موجود ہو اور معنی بھی قبیح حد تک نہ بدلے مگر معنیٰ مقصود سے دور ہو تو بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہ مسلک امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا ہے۔

لیکن بعد کے فقہاے کرام نے جب اپنے زمانے کے حالات کا جائزہ لے کر یہ

(۱)-ردالمحتار، ص:٤٢٤، ج:١، باب مایفسد الصلوٰة وما یکره فیها. مسائل زَلّة القاری.

محسوس کیا کہ عوام اکثر وجوہ اعراب کے مابین کوئی امتیاز کیے بغیر قراءت میں غلطی کر بیٹھتے ہیں تو انھوں نے اپنے ائمہ کرام کے مذہب کے بر خلاف اس باب میں مطلقاً صحت نماز کا فیصلہ سنا دیا کہ "فساد" کا مسلک اختیار کرنے میں اکثر عوام اہل اسلام کی نمازوں کو برباد کرنا اور انھیں تارکِ فرض و مرتکب کبیرہ بنانا لازم آرہا تھا جو امت پر حرج و تنگی کا باعث تھا لہٰذا آسانی کی فراہمی و صیانت صلوٰۃ کے بلند مقصد کے پیش نظر انھوں نے اصل مذہب سے عدول کیا اور یہ فتویٰ جاری کر دیا کہ:

"اب خطافی الاعراب سے نماز نہ فاسد ہوگی۔"

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

خطافی الاعراب یعنی حرکت، سکون، تشدید، تخفیف، قصر، مد کی غلطی میں علماے متاخرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا فتویٰ تو یہ ہے کہ علی الاطلاق اس سے نماز نہیں جاتی۔

فی الدّر المختار: وزلّة القاری لو فی إعراب لا تفسد وإن غیر المعنی، به یفتیٰ.

ردالمحتار میں ہے:

لاتفسد فی الکلّ، وبه یفتیٰ. بزازیةو خلاصة.

(قاری سے اعراب میں غلطی ہوجائے تو نماز فاسد نہ ہوگی، اگرچہ معنیٰ بدل جائے، اسی پر فتویٰ ہے۔ ردالمحتار میں ہے کہ اعرابی غلطی کی تمام صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ بزازیہ، خلاصہ۔ نظام)[1]

"مسائل زلّۃالقاری" کے زیر عنوان شامی میں کئی ایک مسئلے ہیں جن میں عموم بلویٰ یا دفع حرج کی بنا پر مشائخ نے مسلک متقدمین کے بر خلاف جواز کا فتویٰ دیا ہے۔[2]

اور بہر حال ان سب مسائل سے یہ بات کھل کر ثابت ہوتی ہے کہ جو غلطی

(۱)-فتاویٰ رضویه، ج:۳، ص:۹٤، ۹٥، سنی دارالاشاعت مبارك پور.
(۲)-فتاویٰ رضویه، ج:۱، ص:٤۲٤، ٤۲٥.

مذہبِ حنفی میں فسادِ نماز کا باعث تھی، حالات زمانہ کے بدلنے سے بعد میں وہ فساد نماز کا باعث نہ رہی، اور اب فتاویٰ رضویہ کے مطابق علی الاطلاق اس سے نماز نہ جائے گی۔

(۳)- بہار آنے سے پہلے پھلوں کی بیع

باغ کے کچھ پھل نکل چکے ہیں اور کچھ باقی ہیں توظاہر مذہب میں ان پھلوں کی بیع ناجائز و باطل ہے مگر بعد میں فقہا نے تعامل ناس کی وجہ سے اس بیع کی اجازت دے دی۔ فتاویٰ رضویہ رسالہ «المنی والدرر» میں ہے:

بحر الرائق میں امام جلیل ابو بکر محمد بن فضل فضلی سے ہے۔

اَسْتحسن فيه لتعامل الناس فانّهم تعاطوا بيع ثمار الكرم بهذه الصفة ولهم فى ذلك عادةٌ ظاهرةٌ، وفى نزع الناس عن عاداتهم حرج. اه

(میں اسے لوگوں کے تعامل کی وجہ سے اچھا سمجھتا ہوں کہ لوگ انگور کے پھلوں کی بیع اسی طور پر کرتے ہیں یہ ان کی عادت ظاہرہ ہے اور لوگوں کی عادت چھڑانے میں حرج ہے۔)

ردالمحتار میں ہے:

قلتُ: لايخفى تحقّقُ الضرورة فى زماننا لاسيما فى مثل دمشق كثيرة الأشجار والثّمار فانّه لغلبة الجهل على الناس لايمكن إلزامهم بالتخلّص بأيدى الطّرق المذكورة وان أمكن بالنّسبة الى بعض أفراد الناس لايمكن بالنسبة الى عامّتهم وفى نزعهم عن عادتهم حرج كما علمت و يلزم تحريمُ اكل الثمارِ فى هذه البلدان اذلاتباع إلّا كذلك. اه.

(ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانے میں اس ضرورت کا تحقق کوئی مخفی امر

نہیں خصوصًا دمشق جیسے علاقے میں جو کثیر باغات اور پھلوں کا علاقہ ہے کیوں کہ لوگوں کو جہالت کے غلبے کی وجہ سے انھیں درج بالا طریقوں کا پابند کرنا ممکن نہیں ہاں کچھ لوگ وہ طریقے اختیار کرسکتے ہیں، مگر سب ایسا نہیں کرسکیں گے اور ان کی عادت چھڑانے میں حرج لاحق ہوگا جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے، پھر لازم آئے گا کہ اس علاقے میں لوگ حرام پھل کھائیں کیوں کہ وہاں باغات کے پھل اسی طور پر بیچے جاتے ہیں۔ نظام)[1]

یہ فقہ حنفی کا بہت ہی اہم مسئلہ تھا کہ بہار آنے سے پہلے پھلوں کی بیع ناجائز و باطل ہے اور ان کا کھانا حرام، باطل کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ لیکن حالاتِ زمانہ کی اثر انگیزی سے باطل بھی موجود و متحقق اور حرام کے بجاے حلال ہو گیا پھر بھی یہ مذہب حنفی سے اختلاف یا انحراف نہیں، بلکہ صاحب مذہب کا اتباع ہے۔

(۴)- عورت کا اپنی مرضی سے غیر کفو کے ساتھ نکاح جائز، پھر باطل و ناجائز

آزاد، عاقل، بالغ عورت اپنی مرضی سے اپنا نکاح غیر کفو کے ساتھ کرلے تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ نکاح جائز و منعقد ہے البتہ ولی اقرب کو اس پر حق اعتراض حاصل ہوگا کہ وہ چاہے تو فسخ کرادے اور چاہے تو باقی رکھے ایسا ہی عامۂ کتب فقہ میں ہے۔ لیکن بعد میں فساد زمان کی وجہ سے مشایخ مذہب نے حضرت امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس روایت پر فتویٰ دیا کہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا۔ امام قاضی خان اور امام احمد رضا خان علیہما الرحمۃ والرضوان کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

شرح وقایہ میں ہے:

وأما مسألة الكفؤ ففى ظاهر الرواية: النكاحُ من غير كفؤ ينعقد لكن للولى الاعتراض ان شاء فسخ وان شاء

(۱)-فتاویٰ رضویہ، ج:۸، ص:۲۰۷، ۲۰۸، سنی دارالاشاعت، مبارک پور.

اجاز. وفی روایة الحسن عن ابی حنیفة: لاینعقد. اھ وفیه ایضاً و علیه فتویٰ قاضی خان.

(ترجمہ: ظاہر الروایہ یہ ہے کہ عورت غیر کفو کے ساتھ نکاح کر لے تو نکاح منعقد ہوجائے گا لیکن ولی کو (ننگ وعار کا ضرر دور کرنے کے لیے) اعتراض کا حق حاصل ہوگا کہ وہ چاہے تو فسخ کردے اور چاہے تو نافذ کردے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے امام حسن بن زیاد کی روایت یہ ہے کہ نکاح منعقد نہ ہو۔ اور اسی پر امام قاضی خان کا فتویٰ ہے۔ (نظام)[1]

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

اور روایت مفتیٰ بہا مختار للفتویٰ یہ ہے کہ بالغہ ذات الاولیا جو اپنا نکاح غیر کفو سے کرے وہ اسی وقت صحیح ہوسکتا ہے کہ ولی شرعی پیش از نکاح صراحۃً اپنی رضامندی ظاہر کرے اور وہ جانتا بھی ہو کہ یہ شخص کفو نہیں۔..................

در مختار میں ہے:

و یُفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلاً وھو المختار للفتویٰ لفساد الزمان فلا تحل مطلقة ثلثا نکحت غیر کفؤ بلا رضا ولی بعد معرفته ایاہ فلیحفظ.

وفی ردالمحتار: ھذہ روایة الحسن عن ابی حنیفة وھذا اذا کان لھا ولی لم یرض به قبل العقد فلا یفید الرضی بعدہ.

(ترجمہ: عورت نے اپنے طور پر غیر کفو کے ساتھ نکاح کر لیا تو فتویٰ یہ ہے کہ نکاح بالکل منعقد نہ ہوگا، فساد زمانہ کی وجہ سے یہی قول مختار للفتویٰ ہے۔ لہٰذا اگر تین طلاق والی عورت نے کسی غیر کفو سے نکاح کر لیا اور ولی اس غیر کفو سے آگاہ ہو کر اس سے رضامند نہ ہوا تو وہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی۔ رد المحتار میں ہے کہ یہ امام ابو

(۱)-شرح وقایه، ج:۲، ص:۲٤، ۲۵ باب الولی، کتاب النکاح، مجلس البرکات، مبارك پور.

حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام حسن بن زیاد کی روایت ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جب اس کے لیے کوئی ولی ہو اور عقد نکاح سے پہلے اس پر راضی نہ ہو کہ بعد عقد رضا سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔نظام)[1]

یہاں فساد زمان کی وجہ سے فقہا کے ایک گروہ نے اصل مذہب سے عدول کیا ہے اب اگر حالات کروٹ لیں اور اس سے بڑا فساد اصل مذہب سے عدول میں در آئے تو حکم ہوگا کہ اپنے اصل مذہب کی طرف لوٹ چلیں چناں چہ امام احمد رضا قدس سرہ نے اسپرٹ آمیز پڑیا کے مسئلے میں حالات زمانہ کے کروٹ بدلنے سے ایسا ہی کیا جیسا کہ آرہا ہے۔

(۵)- تالاب کا اجارہ پہلے ناجائز اور اب جائز

تالاب کا اجارہ اصل مذہب پر ناجائز ہے لیکن بعد میں فقہا نے عموم بلویٰ کی وجہ سے اس کی اجازت دی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ایک سوال کے جواب میں تفصیل کے ساتھ اس پر تحقیقی گفتگو کی ہے۔ ہم یہاں سوال کے ساتھ جواب کا مختصر اقتباس پیش کرتے ہیں۔

سوال: زید کا ایک تالاب ہے اس کو بعوض بیس روپیہ ایک ماہ کی میعاد مقرر کر کے عمرو کے تصرف میں دیا اور کہا ایام معینہ کے اندر تم اس تالاب کے پانی سے بہر طور انتفاع حاصل کر سکتے ہو، اور اس تالاب کی مچھلی پکڑ سکتے ہو، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: عامۂ کتب میں اس اجارے کو محض حرام و ناجائز و باطل فرمایا اور یہی موافقِ اصول و قواعد مذہب ہے...... اور جامع المضمرات میں جواز پر فتویٰ دیا:

فی الدر المختار: جاز اجارة القناة والنهر مع الماء، به يفتى، لعموم البلوىٰ. مضمرات. انتهى.

(۱)-فتاویٰ رضویہ، ج:۵

(در مختار میں ہے کہ نالے اور دریا کا اجارہ پانی کے ساتھ جائز ہے اور عموم بلویٰ کی وجہ سے اسی پر فتویٰ ہے۔ مضمرات۔ نظام)

اور احوط یہ ہے کہ تالاب کے کنارے کی چند گز زمین محدود معین کرائے پر دے اور پانی وغیرہ سے انتفاع مباح کر دے، یوں اِسے کرایہ اور اُسے پانی مچھلی گھاس جائز طور پر مل جائیں گے .... یا زراعت کو کنارے کی زمین اور تالاب جس سے اس زمین کو پانی دیا جائے سب ملا کر کرائے پر دے کہ تالاب کا اجارہ بھی بالتبع جائز ہو جائے۔[1]

آگاہی: نوع اول میں جو مسائل بیان کیے گئے ہیں وہ سوائے بعض کے سب یہاں بھی مثال میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔ کیوں کہ وہ مذہب حنفی کے ایسے مسائل ہیں جن سے بعد کے ائمہ نے عدول کیا ہے۔

فقہ حنفی کے یہ پانچ مسائل ہوئے۔

❖ یہودیوں کا شعار، طیلسان نامی چادر اوڑھنا پہلے ناجائز تھا، پھر جائز ہوا۔
❖ تلاوتِ قرآن کی اعرابی غلطیاں نماز میں ہوں تو پہلے نماز فاسد تھی اور اب صحیح ہے، مطلقاً فساد کا حکم نہیں۔
❖ بہار آنے سے پہلے پھلوں کی بیع پہلے باطل تھی، اب منعقد و جائز ہے۔
❖ غیر کفو کے ساتھ عورت کا خود نکاح کر لینا پہلے جائز و منعقد تھا پھر باطل و غیر منعقد کہا گیا۔
❖ تالاب کا اجارہ پہلے ناجائز تھا اب جائز قرار پایا۔

یہ تمام مسائل اس حقیقت واقعہ کے شواہد ہیں کہ شرعی احکام مصالح پر قائم ہیں وہ ان کے گردش کرنے سے خود بھی گردش کرتے رہتے ہیں اور بسا اوقات گردش اصل مذہب سے نئے حکم کی طرف ہوتے ہوتے پھر اصل مذہب کی طرف ہو جاتی ہے الغرض جیسے جیسے بنیاد بدلتی رہتی ہے حکم بھی بدلتا رہتا ہے۔

(۱)-فتاویٰ رضویہ، ج:۸، ص:۱۵۷، سنی دارالاشاعت، مبارک پور.

(تیسری نوع)

مذہب حنفی کے بدلے ہوئے مسائل جن کے مطابق فقیہ فقید المثال امام احمد رضا قدس سرہ نے فتویٰ دیا۔ یا آپ کے فتویٰ سے حکم سابق میں تبدیلی ہوئی

اس نوع کے مسائل بھی کثیر ہیں پہلی اور دوسری نوع میں بیان کیے گئے مسائل بھی اس نوع سے یک گونہ مناسبت رکھتے ہیں اور نیچے دیے گئے مسائل کا تعلق اس نوع سے زیادہ ہے۔

(۱)-اسپرٹ آمیز پُڑیا کی طہارت کا حکم اور بار بار حکم میں تبدیلی

فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ اسپرٹ بدترین شراب اور حرام اور پیشاب کی طرح نجاست غلیظہ ہے۔[۱]

نیز فتاویٰ رضویہ میں ہی ایک دوسرے مقام پر ہے:

"قول منصور و مختار میں ہر مُسکِر پانی کا قطرہ قطرہ مثل شراب حرام و ناروا ہے، اور نہ صرف حرام بلکہ پیشاب کی طرح مطلقاً نجاست غلیظہ ہے یہی مذہب معتمد اور اسی پر فتویٰ ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

حرّم محمد مطلقاً. و به یفتی.[۲]

(امام محمد نے مطلقاً حرام قرار دیا، اور اسی پر فتویٰ ہے۔)

(۱)-فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۱۳۶.

(۲)-فتاویٰ رضویہ، ج:۱۱، ص:۵۱، ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی شریف.

اصل مذہب جو شیخین کا مذہب ہے یعنی امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کا، وہ اس سے مختلف ہے اور وہ بھی دلیل کے لحاظ سے بہت باقوت ہے مگر کچھ وجوہ کی بنا پر مشائخ حنفیہ اور خود امام احمد رضا علیہم الرحمۃ والرضوان نے اس سے عدول فرما کر امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا پھر حالات زمانہ نے کروٹ بدلی اور اس کے پیش نظر امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے مذہب امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عدول کر کے مذہب شیخین پر فتویٰ دیا یعنی ایک بار عدول ہوا اصل مذہب حنفی سے قولِ امام محمد کی طرف اور دوبارہ عدول ہوا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول سے مذہبِ شیخین کی طرف جو اپنا اصل مذہب ہے۔ اب اس کی ایک شہادت ملاحظہ فرمائیے۔

آج سے ۱۱۸ر سال پہلے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے یہ سوال ہوا کہ:

"مصری ایک سرخ رنگ کے کاغذ میں جس کی نسبت قوی گمان ہے کہ پُڑیا کے رنگ میں رنگا گیا ہو بندھی تھی اس کی سرخی فی الجملہ مصری میں آگئی تو وہ مصری کھائی جائے یا نہیں، اور نہ کھائیں تو پھینک دیں یا کیا کریں؟"

یہ سوال اس لیے ہوا تھا کہ لوگ پُڑیا میں اسپرٹ ملنے کا گمان رکھتے تھے اور جیسا کہ فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے بیان ہوا اسپرٹ پیشاب کی طرح ناپاک اور حرام ہے، اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"پڑیا میں اسپرٹ کا ملنا اگر بطریقۂ شرعی ثابت بھی ہو تو اس میں شک نہیں کہ ھندیوں کو اس کی رنگت میں ابتلاے عام ہے اور عمومِ بلویٰ نجاست متفَق علیها میں باعثِ تخفیف حتیٰ فی موضع النص القطعی کما فی ترشُّش البول قدرَ رُؤس الابرِ، کما حقّقه المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر.

(یہاں تک کہ جن چیزوں کی نجاست و حرمت نص قطعی سے ثابت ہے ان میں بھی تخفیف ہو جاتی ہے جیسے کہ سوئی کی نوک کی مقدار پیشاب کے چھینٹے میں۔ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اس کی تحقیق فرمائی۔ نظام)

☆نہ کہ محل اختلاف میں جو زمانۂ صحابہ سے عہدِ مجتہدین تک برابر اختلافی چلا آیا۔

☆نہ کہ جہاں صاحبِ مذہب حضرت امام اعظم و امام ابو یوسف کا اصل مذہب طہارت ہو اور وہی امام ثالث امام محمد سے بھی ایک روایت اور اسی کو امام طحاوی وغیرہ ائمۂ ترجیح و تصحیح نے مختار و مرجّح رکھا ہو۔

☆نہ کہ ایسی حالت میں جہاں اُس مصلحت کو بھی دخل نہ ہو جو متأخرینِ اہلِ فتویٰ کو اصل مذہب سے عدول اور روایتِ امام محمد کے قبول پر باعث ہوئی۔

☆نہ کہ جب مصلحت اُلٹی اس کے ترک اور اصل مذہب پر اِفتا کی مُوْجِب ہو۔

تو ایسی جگہ بلا وجہ، بلکہ بر خلافِ وجہ، مذہبِ مہذبِ صاحبِ مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترک کر کے مسلمانوں کو ضیق و حرج میں ڈالنا اور عامۂ مومنین و مومناتِ جمیع دیار و اقطار ہندیہ کی نمازیں معاذ اللہ باطل اور انھیں آثم (گنہگار) و مُصِر علی الکبیرۃ (گناہ کبیرہ پر اصرار کرنے والا) قرار دینا روشِ فقہی سے یکسر دور پڑنا ہے۔ و باللہ التوفیق. (۱)

اس فتوے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اصل مذہب سے عدول کر کے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول پر جس مصلحت کی بنا پر مشائخ نے فتویٰ دیا تھا وہ مصلحت یہاں بدل چکی ہے۔ اور اہل ہند پُڑیا کی رنگت میں عام طور پر مبتلا ہیں اس لیے اب صاحب مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب سے عدول کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور مذہب امام اعظم پر پُڑیا پاک ہے۔ لہٰذا اب بوجہِ عموم بلویٰ فقیر کا فتویٰ یہی ہے کہ مصری پاک ہے اور اس کا کھانا جائز۔

دیکھ رہے ہیں آپ، اصل مذہب حنفی امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب ہے مگر حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے مصلحت کا تقاضا روایتِ امام محمد پر فتوے کا ہوا، تو فقہا نے اصل مذہب سے ہٹ کر امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت پر فتوے صادر کرنے شروع فرما دیے، اور ایک بار پھر جب مصلحت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے زمانے میں بدلی تو آپ پھر

(۱)-فتاویٰ رضویہ ج:۲، ص:۴۹.

اصل مذہبِ حنفی کی طرف پلٹ گئے۔ ایک عامی بار بار احکام بدلنے کا یہ منظر دیکھ کر مذہب سے انحراف سمجھے گا، مگر مصالحِ فقہیہ پر گہری نظر رکھنے والے خوب سمجھتے ہیں کہ یہ مذہب سے انحراف نہیں، بلکہ در حقیقت صاحبِ مذہب کا اتباع ہے۔

(۲)-دیہات میں جمعہ کی اجازت اور اصل مذہب سے عدول

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے متعدد فتاویٰ میں یہ وضاحت فرمائی ہے کہ دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ کا مذہب یہی ہے مگر ایک فتوے میں آپ نے بعض دینی مصالح کی بنا پر اس سے عدول کر کے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایتِ نادرہ پر عمل کی اجازت دی ہے۔ وہ فتویٰ آپ بھی پڑھیں۔

آپ رقم طراز ہیں:

"فی الواقع دیہات میں جمعہ وعیدین باتفاق ائمۂ حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ممنوع و ناجائز ہے کہ جو نماز شرعاً صحیح نہیں اس سے اشتغال روا نہیں۔

فی الدر المختار:وفی القنية: صلاة العيد فی القرى تكره تحريما أی لأنه اشتغال بما لايصح. اھ فی ردالمحتار:ومثلُهُ الجمعة. ح.

جمعہ میں اس کے سوا اور بھی عدمِ جواز کی وجہ ہے: كما بيّنّاه فی فتاوانا.

ہاں ایک روایت نادرہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے آئی ہے کہ جس آبادی میں اتنے مسلمان مرد عاقل، بالغ ایسے تندرست جن پر جمعہ فرض ہو سکے آباد ہوں کہ اگر وہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو نہ سما سکیں یہاں تک کہ انھیں جمعہ کے لیے مسجد جامع بنانی پڑے وہ صحت جمعہ کے لیے شہر سمجھی جائے گی۔ امام اکمل الدین بابرتی عنایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

"(وعنه) ای عن ابی يوسف انهم (إذا اجتمعوا) ای اجتمع من تجب عليهم الجمعة لا كلُّ من يسكن فی ذلك الموضع من الصبيان والنساء والعبيد. قال ابن شجاع: أحسنُ ما قيل فيه: اذا

كان اهلها بحيث لو اجتمعوا (في اكبر مساجدهم لم يسعهم) ذلك حتى احتاجوا الى بناء مسجد اٰخر للجمعة الخ.

جس گاؤں میں یہ حالت پائی جائے اس میں اس روایت نوادر کی بنا پر جمعہ و عیدین ہو سکتے ہیں اگرچہ اصل مذہب کے خلاف ہے مگر اسے بھی ایک جماعت متاخرین نے اختیار فرمایا اور جہاں یہ بھی نہیں وہاں ہرگز جمعہ خواہ عید مذہب حنفی میں جائز نہیں ہو سکتا بلکہ گناہ ہے۔" (۱)

اس فتوے کے بعد بھی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے دیہات میں جمعہ کے عدم جواز کا حکم جاری کیا ہے اس کی وجہ اس ناچیز راقم السطور کے خیال میں یہ ہے کہ جواز کا فتویٰ کسی اہم دینی مصلحت کی بنا پر دیا تھا اس لیے جہاں وہ مصلحت پائی جائے حکم جواز کا ہوگا اور جہاں نہ پائی جائے وہاں حکم اصل مذہب کے مطابق عدم جواز کا ہوگا۔

(۳)-گیہوں کی بیع میں وزن کا اعتبار

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"چار چیزوں کو رسول اللہ ﷺ نے کیلی فرمایا ہے: گیہوں، جو، چھوہارے، نمک۔ یہ چاروں ہمیشہ کیلی رہیں گی اگرچہ لوگ انھیں وزن سے بیچنے لگیں تو اب اگر گیہوں کے بدلے گیہوں برابر تول کر بیچے تو حرام ہوگا بلکہ ناپ میں برابر کرنا چاہیے۔ اور دو کو حضور اقدس ﷺ نے وزنی فرمایا ہے۔ سونا، چاندی۔ یہ ہمیشہ وزنی رہیں گے۔ ان چیزوں کے سوا بنائے کار عرف وعادت پر ہے جو چیزیں عرف میں تُل کر بکتی ہیں وہ وزنی ہیں اور جو گزوں یا گنتی سے بکتی ہیں وہ اندازہ سے خارج۔" (۲)

مگر اس کے برخلاف آپ نے اپنے ایک فتوے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے

(۱)-فتاویٰ رضویه، ج:۳، ص:۷۰۱، ۷۰۲، سنی دارالاشاعت، مبارك پور، بحواله عنايه شرح هدايه.

(۲)-فتاویٰ رضویه، ج:۷، ص:۸۰، سنی دارالاشاعت، مبارك پور.

قول پر عمل کرتے ہوئے گیہوں میں وزن کا اعتبار کیا ہے۔ چناں چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

”کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ زید سے بکر نے ماہ کاتک میں بغرض تخم ریزی ایک من گیہوں لیا اور فصل کٹنے پر ماہ چیت میں ایک من کا ایک من گیہوں واپس دیا یعنی کچھ کمی بیشی نہیں ہوئی، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے عملاً بقول الامام ابی یوسف مِن اعتبار العرف فی الکیل والوزن مطلقاً وقد تعامل بہ الناس وشاع بینھم استقراض الحنطۃ وزناً. ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم.

(یہ حکم امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول پر عمل کر کے دیا ہے کہ ناپ اور وزن میں مطلقاً عرف کا اعتبار ہے اور اس پر یقیناً لوگوں کا عرف و تعامل ہے اور ان کے درمیان گیہوں کا قرض لین دین وزناً شائع ہے۔ نظام)[1]

(۴)- اسبابِ مسجد کے حکم میں تبدیلی

کسی مسجد کے آلات و اسباب گو کہ اس کی ضروریات سے فاضل ہوں انھیں دوسری مسجد میں تملیک، بلکہ عاریت کے طور پر بھی دینا جائز نہیں۔

لَا یَجُوْزُ نَقْلُهٗ وَلَا نَقْلُ مَالِهٖ إِلٰی مَسْجِدٍ اٰخَرَ. اھ [2]

(مسجد اور اس کے مال کو دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز نہیں۔)

یَجُوْزُ لِلْقَیِّمِ شِرَی الْمُصَلَّیَاتِ لِلصَّلَاةِ عَلَیْهَا وَلَا یَجُوْزُ إِعَارَتُهَا لِمَسْجِدٍ اٰخَرَ. اھ ملخصًا.

(مسجد کے منتظم کو فرش «مثلاً چٹائی، دری» نماز پڑھنے کے لیے خریدنا جائز ہے

(۱)-فتاویٰ رضویہ، ج:۷، ص:۷۳، ۷٤، سنی دارالاشاعت، مبارك پور.

(۲)-فتاویٰ رضویہ، ج:٦، ص:٤۲۸، وغیرہ سنی دارالاشاعت مبارك پور بحوالہ ردالمحتار کتاب الوقف مطلب فی نقل أنقاض المسجد.

اور دوسری مسجد میں ان چیزوں کو عاریت دینا جائز نہیں۔)[1]

حتیٰ کہ اگر مسجد ویران ہو چکی ہو تو بھی اصل مذہب یہ ہے کہ اس کے اسباب کو دوسری مسجد میں منتقل نہیں کر سکتے۔

مگر بعد کے فقہاے کرام نے جب اپنے زمانے کے بدلے ہوئے حالات کا مشاہدہ کیا کہ لوگوں میں خدا ناترسی پہلے سے بڑھ گئی ہے اور وہ امانت و دیانت کے خلاف کوئی کام کر گزرنے میں کسی طرح کا عار، یا باک نہیں محسوس کرتے تو انھوں نے اصل مذہب کے بر خلاف ایسی مسجدوں کے اسباب کو دوسری مسجد میں منتقل کرنے کی اجازت دے دی۔ چناں چہ امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

”جو مسجد ویران ہو چکی ہو اس کی آبادی کی کوئی صورت نہ ہو، اور اس کے آلات کی حفاظت نہ ہو سکے تو اب فتویٰ اس پر ہے کہ اس کے کڑی، تختے وغیرہ دوسری مسجد میں دیے جا سکتے ہیں۔[2]

(۵)-عورت کے ارتداد سے فسخ نکاح کے حکم میں تبدیلی

ظاہرِ مذہب یہ ہے کہ زوجین میں سے کوئی اسلام سے پھر جائے تو اس کا نکاح فوراً فسخ ہو جائے گا۔

لیکن اب فتویٰ اس پر ہے کہ عورت ارتداد کے سبب نکاح سے خارج نہیں ہوتی۔ مجدد اسلام امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

”اب فتویٰ اس پر ہے کہ مسلمان عورت معاذ اللہ مرتد ہو کر بھی نکاح سے نہیں

---

(۱)-فتاویٰ رضویہ، ج:٦، ص:٤٥٥، سنی دارالاشاعت، بحوالہ فتاویٰ عالم گیری، ص:٩٤، ج:٤، کتاب الکراھیہ.

(۲)-فوائد رضویہ حاشیہ فتاویٰ رضویہ جلد اول، ص:٣٩٣، رسالہ اجلی الاعلام.

نکل سکتی۔ وہ بدستور اپنے مسلمان شوہر کے نکاح میں ہے۔[1]

وَمِنْ ذٰلِكَ إِفْتَائِي مِرَارًا بِعَدْمِ انْفِسَاخِ نِكَاحِ امْرَأَةِ مُسْلِمٍ بِارْتِدَادِهَا لِمَا رَأَيْتُ مِنْ تَجَاسُرِهِنَّ مُبَادَرَةً إِلَى قَطْعِ الْعِصْمَةِ كَمَا بَيَّنْتُهُ فِي السِّيَرِ مِنْ فَتَاوَانَا وَكَمْ لَهُ مِنْ نَظِيْرٍ." [2]

(اسی وجہ سے میں نے بارہا فتویٰ دیا کہ مسلمان کی بیوی کا نکاح اس کے مرتد ہونے سے فسخ نہ ہوگا۔ کیوں کہ میں نے عورتوں کو عصمتِ نکاح سے نکلنے میں جلد باز و جری دیکھا۔ میں نے اسے اپنے فتاویٰ کی کتاب السیر میں بیان کیا اور اس کی بہت سی نظیریں ہیں۔ نظام)

(٦)- پہلے نفل اور سنت نمازیں گھر میں پڑھنا افضل تھا اور اب مسجد میں

نفل اور سنت نمازیں گھر میں پڑھنا افضل ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عليكم بالصلوٰة فى بيوتكم فانّ خير صلاة المرء فى بيته إلّا المكتوبة.

(تم لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھو کہ مرد کی بہتر نماز اس کے گھر میں ہے۔ سوائے فرض کے۔)[3]

اور ابوداؤد شریف میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(١)-فوائد رضویه حاشیه فتاویٰ رضویه جلد اول، ص:٣٩٣، رساله اجلى الاعلام.

(٢)-فتاویٰ رضویه جلد اول، ص:٣٩٣، ٣٩٤، رساله اجلى الاعلام.

(٣)-مسلم شريف، ج:١، ص:٢٦٦، باب استحباب صلاة النافله فى بيته، مجلس بركات و فتاویٰ رضویه ج:٣، ص:٤٥٧.

"صلاةُ المرء فی بیته افضل من صلاته فی مسجدی هذا إلّا المکتوبة."

(اپنے گھر میں مرد کی نماز میری اس مسجد میں اس کی نماز سے افضل ہے سوائے فرض نماز کے۔) [1]

مگر اب افضل یہ ہے کہ سنن بھی مسجد میں ہی پڑھیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"سنن و نوافل کا گھر میں پڑھنا افضل اور یہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادتِ طیبہ........ مگر اب عام عملِ اہلِ اسلام سنن کے مساجد ہی میں پڑھنے پر ہے اور اس میں مصالح ہیں کہ ان میں وہ اطمینان کم ہوتا ہے جو مساجد میں۔ اور عادتِ قوم کی مخالفت موجبِ طعن و انگشت نمائی و انتشارِ ظنون و فتحِ بابِ غیبت ہوتی ہے اور حکم صرف استحبابی تھا تو ان مصالح کی رعایت اس پر مرجح ہے۔ ائمۂ دین فرماتے ہیں:

"الخروج عن العادة شهرة ومکروه."

عادت کے خلاف کرنا شہرت پسندی و مکروہ ہے۔ [2]

(۷ تا ۲۳)- خرید و فروخت کے بہت سے معاملات جو پہلے ناجائز تھے اب جائز ہو گئے

کتبِ فقہ میں ایسی کثیر بیعوں کا ثبوت ملتا ہے جو کسی زمانے میں شرط فاسد کی وجہ سے فاسد قرار دی جاتی تھیں، بعد میں ان شرطوں کے متعارف ہوجانے کی وجہ سے وہ تمام بیعیں جائز ہوگئیں۔ جیسے گھڑیوں، برقی پنکھوں، بیٹری، اِنورٹر، فریج، واشنگ مشین، کولر، شوٹ

(۱)-سنن ابی داؤد شریف، ج:۱، ص:۱۳٤، باب صلوٰة الرجل التطوع فی بیته، نول کشور، وفتاویٰ رضویه، ج:۳، ص:٤٥٧.

(۲)-فتاویٰ رضویه، ج:۳، ص:٤٥٨، ٤٥٩، باب الوتر والنوافل، سنی دارالاشاعت، مبارك پور.

کیس اور دوسری مختلف قسم کی مشینوں میں گارنٹی یا وارنٹی کی شرط جو اصل مذہب کے لحاظ سے ناجائز اور اب تعارف و تعامل کی وجہ سے جائز ہے۔ اس کی بنیاد فقہ کا یہ ضابطۂ کلیہ ہے:

”کل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين يُفْسِده إلّا ان يكون متعارفاً لان العرف قَاضٍ على القياس.“

(جو شرط بیع کے تقاضے کے خلاف ہو اور اس میں عاقدین میں سے کسی کا نفع ہو وہ عقد فاسد کر دے گی، مگر یہ کہ وہ شرط متعارف ہو تو عقد جائز رہے گا، اس لیے کہ عرف قیاس پر حجت ہے اس کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔)[1]

بہارِ شریعت میں ہے:

”یا وہ شرط ایسی ہے جس پر مسلمانوں کا عام طور پر عمل درآمد ہے جیسے آج کل گھڑیوں میں گارنٹی سال، دو سال کی ہوا کرتی ہے کہ اس مدت میں خراب ہو گی تو درستی کا ذمہ دار بائع ہے۔ ایسی شرط بھی جائز ہے۔“[2]

فتاویٰ رضویہ ج:۸، ص:۲۰۴ تا ۲۰۸ میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ایسی بہت سی بیعوں کا ذکر فقہی عبارتوں کے ساتھ کیا ہے جو اصالۃً ناجائز و فاسد اور بوجہ عرف و تعامل جائز ہیں، مثلاً:

”بیع نعل اس شرط پر کہ دوسری اس کے ساتھ کی بنا دے اس میں تسمہ لگا دے۔ بیعِ چرم بشرطیکہ اس کا جوتا سی دے، کھڑاؤں کی بیع میں پٹھے لگا دینے کی شرط، بُنی ہوئی اون کی بیع بایں شرط کہ اس کی ٹوپی کر دے، ٹوپی اس شرط سے بیچے کہ استر اپنے پاس سے لگائے، پھٹے پرانے موزے یا کپڑے کی بیع میں پیوند کی شرط، کھال اس شرط پر بیچے کہ اس کا موزہ بنا دے۔ اس طرح اور بھی بہت سی بیعیں ہیں جو شرط فاسد کی وجہ سے فاسد تھیں اور بعد میں جب ان شرطوں کا تعارف و تعامل ہو گیا تو فقہا نے ان کے جواز کا حکم صادر فرما دیا۔“

(۱)-هدایه، ج:۳، ص:٤٣، باب البيع الفاسد مجلس البركات.
(۲)-بهارِ شريعت، حصه ۱۱، ص:۷۰۱، مكتبة المدينه.

(۲۴ تا ۴۴)- متعدّد ناجائز اوقاف و بیوع و قرض کی اجازت

ایسے بھی کثیر مسائل ہیں جو اصل مذہب میں ناجائز تھے بعد میں عرفِ حادث کی وجہ سے جائز قرار پائے۔ جیسے اشیاے منقولہ کا وقف اصل مذہب میں ناجائز ہے۔ لیکن جب بہت سی اشیاے منقولہ کے وقف کا مسلمانوں میں تعامل ہوگیا تو فقہا نے ایسے سارے اوقاف جائز قرار دیے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے فتاویٰ رضویہ ج:۸، کے صفحات مذکورہ بالا میں ایسے بائیس امور کا تذکرہ فقہی جزئیات کے ساتھ کیا ہے وہ امور یہ ہیں:

”جنازہ کے لیے چارپائی، چادروں اور غسل میت کے لیے گھڑوں، لوٹوں کا وقف، اہل حاجت کے لیے کلہاڑی، بسولے، آرے، پھاوڑوں کا وقف، مسافروں کے لیے طشت، ہانڈی، بڑی دیگ کا وقف، مساجد کے لیے قندیل کی رسی، زنجیر کا وقف، قرآن مجید و کتب و غلہ و گاؤ و دراہم و دنانیر کا وقف، آٹے سے آٹا تول کر بیچنا، نہ ناپ سے، تول پر آٹا قرض لینا، روٹیوں کی بیع سلم گنتی سے، روٹیوں کا گن کر قرض لینا، اموال ستّہ ربویہ (گیہوں، جو، کھجور، نمک، سونا، چاندی) میں کیل و وزن کا عرف بدلنے پر امام ابو یوسف کا اعتبارِ عرف فرمانا۔ یہ سب بر خلافِ اصل و قیاس ہیں جنھیں ائمہ و علماے اعلام نے تعامل و عرف پر مبنی فرمایا۔“ (۱)

یہ فقہ حنفی کے جزئیات اور ضوابط سے ہٹے ہوئے بلفظ دیگر حالات زمانہ کے اثر سے بدلے ہوئے ایسے **چوالیس مسائل** ہیں جو فتاویٰ رضویہ میں موجود یا کھلے طور پر اس سے ماخوذ ہیں۔ گارنٹی کا مسئلہ بہارِ شریعت سے لیا گیا ہے۔ اور بہر حال اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فقیہ بے مثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے فقہی فروعی مسائل میں حالاتِ زمانہ کی رعایت کتنے اہتمام کے ساتھ کی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کہیں حالات کے بدلنے کے باعث خود ہی حکم کے بدل جانے کا فتویٰ دیا ہے اور کہیں اپنے پیش رو فقہاے کرام کے بدلے ہوئے مسائل کو برقرار رکھ کر اپنے موقف کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔

---

(۱)-فتاویٰ رضویہ ج:۸، ص:۲۰۸، ۲۰۹، رسالہ المنّی والدرر.

(چوتھی نوع)

فتاویٰ رضویہ کے مسائل جو بعد کے فقہاے اہل سنت کے نئے فتاویٰ اور فیصلوں کے ذریعہ بدلے

اس نوع کے مسائل کی تعداد بھی بہت ہے اگر کوئی صاحبِ نظر عالم دین ان مسائل کا احاطہ کریں تو ایک مناسب کتاب تیار ہو سکتی ہے، لیکن یہ عاجز بے مایہ صرف ''بحرِ عطایا نبویہ و فتاویٰ رضویہ'' کے ساحل کی ایک سیر کرانا چاہتا ہے اس لیے صرف چند نمونے پیش کرنا کافی سمجھتا ہے۔ خدا کرے یہ نمونے چشم کشا اور عبرت آمیز ہوں۔

(۱)- برقی پنکھا اور برقی لائٹ مسجد اور گھر میں لگانے کی ممانعت اور اب اجازت

آج کے دور میں عام طور پر اپنے گھروں اور مساجد میں برقی پنکھے اور برقی لائٹیں استعمال کی جاتی ہیں مگر شرعی نقطۂ نظر سے یہ جائز بھی ہے یا نہیں۔ یہ تحقیق طلب ہے۔ ایک صدی پیش تر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ایک اہم فتویٰ جاری کیا تھا جس میں آپ نے گھروں اور مساجد میں برقی لائٹ اور پنکھے لگانا ممنوع و ناجائز و حرام قرار دیا تھا۔ اس کے مختلف اسباب تھے، ہم یہاں فتاویٰ رضویہ سے پہلے سوالات، پھر ان کے جوابات نقل کرتے ہیں تاکہ قارئین پر یہ واضح ہو سکے کہ وہ کون سے شرعی اسباب تھے جن کی بنیاد پر برقی روشنی اور برقی پنکھے کی ممانعت کا فتویٰ جاری ہوا پھر وہیں سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ وہ اسباب آج موجود نہیں ہیں۔

سوالات

۱۶/ رجب ۱۳۳۴ھ کو بمبئی کا میکر اسٹریٹ سے ایک صاحب نے یہ سوالات کیے:

(۱)- ....

(۲)- مسجد ایسی جگہ واقع ہے جس کے چاروں طرف کوئی مکان نہیں ہے اور دیواروں میں بڑے بڑے جنگلے بکثرت بنائے گئے ہیں، ہواہر وقت موجود رہتی ہے بلکہ بعض وقت کثرتِ ہوا کے سبب کھڑکیاں بند کی جاتی ہیں پس ایسی صورت میں مال وقف سے برقی پنکھے مسجد میں نصب کرنا شرعًا درست ہے یا نہیں؟

(۳)- تجربتاً یہ امر ظاہر ہے کہ جب برقی پنکھا چلایا جاتا ہے اس وقت اس سے ایک آواز آتی ہے جو ضرور مخلّ نماز و مبطل خشوع و خضوع ہے۔ بناءً علیہ اس طرح کے پنکھے بلاضرورت بصرفِ مالِ مسجد بنانا شرعًا جائز ہیں یا نہیں؟

(۴)- یہ امر بتحقیق تمام ثبوت کو پہنچا ہے کہ پنکھا چلانے کے ڈبے میں جو گریس ڈالا جاتا ہے وہ اشیاے ناپاک و نجس سے مخلوط ہے اس صورت خاص میں بھی ان پنکھوں کے مسجد میں لگانے کا بصرفِ مالِ وقف شرعًا کیا حکم ہے؟

(۵)- ماہرین فن الیکٹری سے یہ بات بخوبی معلوم ہوئی ہے کہ بہ نسبت گیس کی روشنی کے الیکٹری کی روشنی و برقی پنکھوں میں زیادہ تر خوفِ آتش زدگی ہے، چناں چہ الیکٹری سے اس قسم کی آتش زدگی کے واقعات بہت ہو چکے ہیں جس سے بہت لوگ واقف ہیں، پس صورت مذکورہ میں ایسی خوف ناک وحشت آمیز چیز کا نصب کرنا شرعًا درست ہے یا نہیں؟

(۶)- یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ بقولِ اطبّا روشنی برقی مضرِّ بصارت ہے اور برقی پنکھوں کی ہوا بھی نقصان رسانِ صحت ہے چناں چہ اس قبیل کا ایک مضمون اخبار طبیب مورخہ یکم جون سنہ رواں میں مطبوع ہے جو کہ سرپرستی جناب حاذق الملک مولوی حکیم اجمل خان صاحب بہادر رئیس اعظم دہلی نکلا کرتا ہے پس ایسی مضرّت رسانِ صحت کا مسجد میں آویزاں کرنا شرعًا درست ہے یا نہیں؟[1]

(۱)-فتاویٰ رضویہ ج:٦، ص:٣٨٢.

جوابات

(۱)- ....

(۲)- **اولاً** ہم نے اپنے فتاویٰ میں بیان کیا ہے کہ مسجد میں فرشی پنکھا لگانا مطلقاً ناپسندیدہ ہے، مدخل الی الشریعۃ میں ہے:

"قد منع علماؤنا رحمهم الله تعالىٰ المراوح؛ إذ اَنّ اتخاذها في المسجد بدعة."

(ہمارے علما رحمہم اللہ تعالیٰ نے پنکھے سے ممانعت فرمائی ہے کیوں کہ انھیں مسجد میں لگانا بدعت ہے۔)

ثانیاً جب یہ حالت ہے کہ حاجت اصلاً نہیں تو اپنے مال سے بھی جائز نہیں، نہ کہ مال وقف سے۔

قال الله تعالىٰ: لاتسرفوا ان الله لايحب المسرفين.

(اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فضول خرچی نہ کرو بے شک اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔)

وقال ﷺ: انّ الله تعالىٰ كره لكم ثلثا: قيل و قال وكثرة السّؤال وإضاعة المال.

(اور اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تمھارے لیے تین باتیں ناپسند رکھتا ہے۔ فضول بک بک، زیادہ سوال کرنا اور مال ضائع وبرباد کرنا۔)

ثالثاً: یہ وقف میں صرفِ جدید کا اِحداث ہے جس کی اجازت متولی کو نہیں ہو سکتی، كما بينا.

رابعاً: طباً اس پنکھے کی ہوا مضر صحت ہو تو اس کا کسی مسلمان کے گھر میں بھی اپنے یا اس کے مال خاص سے بھی لگانا جائز نہ ہوگا، نہ کہ مسجد میں، نہ کہ مال وقف سے، كما يأتي.

بے شک مسجد میں ایسی چیز کا احداث ممنوع بلکہ ایسی جگہ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

"کره وقت حضور طعام تاقت نفسه اليه وكذا كل ما يشغل بالَهٗ عن افعالها ويُخل بخشوعها كائنا ماكان."

(کھانے کی خواہش ہو تو نماز پڑھنی مکروہ ہے، یوں ہی کوئی چیز جو دل کو افعالِ نماز سے ہٹادے اور خشوع میں خلل ڈالے باعث کراہت ہے۔ن)

نیز شرح تنویر میں ہے:

"ولذا تكره فى طاحون."

(گھر میں چکی چل رہی ہو تو وہاں نماز مکروہ ہے۔ن)

ردالمحتار میں ہے:

"لعل وجهه شغل البال بصوتها."

(شاید اس کی وجہ چکی کی آواز سے دل کا نماز سے ہٹ جانا ہے۔ن)

(۴)-اس صورت میں وہ پنکھا مطلقاً خود ہی ناجائز ہے اگرچہ (اوپر ذکر کردہ) چار وجہ (فضول خرچی، وقف میں نیا مصرف نکالنا، مُضرِ صحت ہونا، نماز میں خلل انداز ہونا) نہ بھی ہوتیں۔

تنویر الابصار میں ہے:

"كره ادخال نجاسة فيه فلا يجوزالاستصباح بدهن نجس فيه."

(مسجد میں ناپاک چیز لے جانا مکروہِ تحریمی ہے۔ لہٰذا مسجد میں ناپاک تیل سے چراغ جلانا جائز نہیں۔ن)

(۵)-یہ بھی کافی وجہ اس روشنی اور پنکھے کی ممانعت کی ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"اذا نمتم فأطفئوا السراج فان الفارة تاخذ الفتيلة فتحرق اهل البيت. رواه أحمد والطبرانى والحاكم بسند صحيح عن عبد

الله بن سرجس والحديث فی الصحيحين من وجوه."

(جب تم سونا چاہو تو چراغ بجھا دیا کرو، اس لیے کہ چوہا اس کی بتی لے کر گھر والوں کو جلا سکتا ہے۔ اس حدیث کو احمد، طبرانی اور حاکم نے بسند صحیح حضرت عبداللہ بن سرجس سے روایت کیا اور یہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں متعدّد اسانید کے ساتھ موجود ہے۔ ن)

(۲)- جب از روئے طب ان کا مضر ہونا ثابت ہو تو یہ ایک اعلیٰ وجہِ عدم جواز ہے کہ اس میں مسلمانوں کو ضرر رسانی ہے اور یہ حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "لاضرر ولا ضرار." رواه احمد و ابن ماجة عن عُبادة رضی الله تعالىٰ عنهم. نہ ضرر دو، نہ ضرر لو۔ اس حدیث کو احمد و ابن ماجہ نے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔)

اس میں مسلمانوں کی بد خواہی ہوئی اور یہ خلاف دین ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"إن الدين النصيحة لله ولكتابه ولرسوله ولأئمّة المسلمين وعامَّتِهم." رواه احمد و مسلم و ابوداؤد والنسائی عن تميم الداری رضی الله تعالىٰ عنه. [1]

(بے شک دین خیر خواہی ہے اللہ کے لیے، کتاب اللہ کے لیے، مسلمانوں کے ائمّہ و حکمرانوں کے لیے، اور تمام مسلمانوں کے لیے۔ یہ حدیث احمد و مسلم و ابوداؤد و نسائی نے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ ن)

یہ ہے فقیہ بے مثال کا فتویٰ جو آج کے حالات میں جاری نہیں کیا جا سکتا، نہ کہیں سے جاری ہوتا ہے۔ خود مرکز کے کا دارالافتا بھی آج اس سلسلے میں خاموش ہیں بلکہ اس کے بر خلاف سارے عوام و خواص اپنے گھروں اور مسجدوں میں برقی روشنی اور برقی پنکھے

(۱)-فتاویٰ رضویہ ج:٦، ص:٣٨٣، ٣٨٤، سنی دارالاشاعت، مبارک پور.

استعمال کرتے ہیں۔ وہ بھی اس شانِ بے نیازی کے ساتھ کہ ان کے ناجائز و حرام ہونے کا کسی کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا ہمارے تمام عوام و خواص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے مسلک سے منحرف ہو گئے ہیں؟

ایسا ہرگز نہیں۔

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی در کار
یہ حقائق ہیں، تماشائے لبِ بام نہیں

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے جن شرعی بنیادوں پر یہ احکام جاری کیے ہیں وہ سب آپ کے پیش نظر ہیں وہ بنیادیں آج بھی فراہم ہوں تو حکم وہی عدمِ جواز کا ہوگا، مگر سچائی یہ ہے کہ آج وہ ساری بنیادیں حالات زمانہ کے بدلنے کے ساتھ بدل چکی ہیں اور عموماً گھر اور مسجد ہر جگہ ان کی حاجت پیش آتی ہے اور آج بلا نکیر ساری دنیا میں انھیں استعمال کیا جاتا ہے۔ لہٰذا برقی لائٹ اور برقی پنکھا گھر اور مسجد ہر جگہ لگانا اور استعمال کرنا جائز ہے۔ اِلّا یہ کہ کہیں کوئی استثنائی حالت در پیش ہو۔

(۲)-لاپتہ شوہر کی بیوی کیا کرے؟

شوہر لاپتہ ہو جائے اور یہ بھی معلوم نہ ہو سکے کہ وہ زندہ ہے یا مردہ تو بھی عورت پر فرض ہے کہ دوسری جگہ اپنا نکاح نہ کرے بلکہ شوہر کا انتظار کرے۔ جب اس کی عمر پیدائش کی تاریخ سے کامل ستّر سال ہو جائے تو قاضی کے یہاں استغاثہ کرے وہ اس کے شوہر کی موت کا حکم صادر کر دے پھر یہ چار مہینے دس دن عدتِ وفات گزار کر چاہے تو دوسرے کے ساتھ نکاح کر لے۔

یہ ہے حنفی مذہب جسے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے متعدّد فتاویٰ میں بیان کیا ہے۔ مثلاً ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں:

"اور ہمارے مذہب میں عورت پر انتظار فرض ہے یہاں تک کہ شوہر کی عمر سے (اس کے وقتِ پیدائش سے) ستر برس گزر جائیں، اگر پچاس برس کی عمر میں مفقود ہوا ہے تو

تیس برس انتظار کرے اور ساٹھ برس کی عمر میں (مفقود ہوا ہے تو) دس برس کے بعد اس کی موت کا حکم دیا جائے اور عورت چار مہینے دس دن عدت کرے، پھر دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے، یہی مذہب امام شافعی کا ہے، اسی طرف انھوں نے رجوع فرمائی، اور یہی قول امام احمد کا ہے اور دوسرا قول مثلِ امام مالک ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔"[1]

ایک دوسرے فتوے میں رقم طراز ہیں:

"مذہبِ ائمۂ حنفیہ و جمہورِ ائمۂ کرام میں زنِ مفقود پر انتظار فرض ہے یہاں تک کہ اتنا زمانہ گزر جائے کہ عادۃً موتِ مفقود (لاپتہ شوہر کی موت) مظنون ہو اور اس کی تقدیر مفتیٰ بہ مؤیَّد بحدیث صحیح یہ ہے کہ روزِ ولادتِ مفقود سے ستر سال گزر جائیں۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دربارۂ مال مفقود یہی حکم دیتے ہیں مگر دربارۂ زن خلاف کرتے ہیں۔"[2]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ زوجۂ مفقود الخبر کے بارے میں یہی فرمان جاری کرتے رہے مگر آپ کے وصال کے ایک عرصہ بعد ادارۂ شرعیہ پٹنہ کے قیام کے وقت جب رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فقہاے اہل سنت کی مجلس میں یہ مسئلہ پیش کیا تو ان حضرات نے بحث و نظر کے بعد بوجہِ ضرورتِ شرعیہ زوجۂ مفقود الخبر کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب پر عمل کی اجازت ان الفاظ میں دی:

"ضرورت و مصلحت کے وقت مذہبِ امام مالک پر عمل کرتے ہوئے قاضیِ حنفی بھی تفریق کر سکتا ہے جیسا کہ علامہ شامی نے رد المحتار میں «مسئلۂ ممتدّۃُ الطُہر» کے بارے میں فرمایا ہے۔"[3]

اور پیرِ طریقت حضرت مولانا مفتی عبید الرحمٰن رشیدی دام ظلہ العالی سجادہ نشیں

(۱)-فتاویٰ رضویہ ج:٦، ص:٣١٨، سنی دارالاشاعت، مبارک پور.
(۲)-فتاویٰ رضویہ ج:٦، ص:٣١٩، سنی دارالاشاعت، مبارک پور.
(۳)-دار القضاۃ کے فرائض و مسائل، ص:٤، مرتب حضرت مولانا مفتی عبید الرحمٰن رشیدی صاحب مد ظلہ العالی

خانقاہ رشیدیہ جون پور کے ذریعہ معلوم ہوا کہ حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے ریٹائرڈ ہو کر جب جامعہ لطیفیہ بحر العلوم، عملہ ٹولی، کٹیہار، بحیثیت صدر مدرس تشریف لے گئے تو وہاں آپ کی خدمت میں ایک زوجۂ مفقود الخبر نے استغاثہ پیش کیا اور آپ نے تفتیش و تحقیق کے بعد مذہب امام مالک پر فیصلہ صادر فرمایا۔ مفتی صاحب موصوف نے بتایا کہ اس وقت وہ ہدایۃ النحو کے طالب علم تھے۔

ہاں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے ایک فتوے میں امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب نقل کرکے یہ لکھا ہے کہ:

"حنفی وقت تحقق ضرورت صحیحہ اس پر عمل کر سکتا ہے۔"(۱)

مگر آپ کے فتاویٰ سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ آپ نے اپنے دور میں ضرورت صحیحہ کا تحقق مانا۔ اس کے بر خلاف آپ کے شہزادے حبرُ الاُمّت، مفتی اعظم، حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے دور میں ضرورت شرعیہ کا تحقق تسلیم کیا اور فقہاے اہل سنت کے صدرِ اعلیٰ کی حیثیت سے مذہب امام مالک پر قاضی کو فیصلے کی اجازت دی اور اس وقت سے ہمارے علما اسی کے مطابق فتوے اور فیصلے صادر کرتے ہیں۔

(۳)-اب معدومۃ النفقہ کا نکاح فسخ کرنے کی اجازت

عورت کو شوہر کی طرف سے نان و نفقہ نہ ملے تو اسے «معدومۃُ النفقہ» کہتے ہیں۔ مذہبِ حنفی میں نفقہ سے محرومی کی وجہ سے اس کا نکاح شوہر سے فسخ کرنے کی اجازت نہیں، لہٰذا بغیر شوہر کی موت یا طلاق کے میاں بیوی کے درمیان تفریق نہیں ہو سکتی۔ فقیہِ بے مثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ چناں چہ آپ اپنے ایک فتوے میں رقم طراز ہیں:

"بے افتراق بموت یا طلاق دوسرے سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ ہمارے نزدیک غَیبَت (شوہر کے غائب ہونے) خواہ عُسرت (شوہر کے مفلس و تنگ دست ہونے) کے سبب

(۱)-فتاویٰ رضویہ ج:٦، ص:٣٢٠، سنی دارالاشاعت، مبارک پور.

اَدائے نَفقہ سے شوہر کا عجز یا تحصیلِ نفقہ سے عورت کی محرومی باعثِ تفریق نہیں۔"(۱)

مگر اس کے بر خلاف ہمارے بعد کے اکابر علمائے اہلِ سنت رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ موقف اختیار فرمایا کہ نفقہ سے عجز کی دونوں صورتوں میں فسخِ نکاح و تفریق کی اجازت ہے، کلمات یہ ہیں:

"**معدومۃُ النفقہ:** ایسی عورت جس کو شوہر کی جانب سے نان و نفقہ نہ ملتے ہوں۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: شوہر موجود ہے مگر افلاس و غربت کی وجہ سے اپنی بیوی کو نان و نفقہ دینے سے عاجز ہے۔ ایسی صورت میں اگر عورت قاضی سے تفریق کا مطالبہ کرے تو قاضی بعدِ ثبوتِ عجز، زن و شوہر کے درمیان تفریق کر دے۔

دوسری صورت: شوہر نان و نفقہ دینے پر قادر ہے مگر غائب ہونے کی وجہ سے نان و نفقہ نہیں دے رہا ہے اور عورت شوہر کے مال سے نان و نفقہ وغیرہ حاصل کرنے پر قدرت نہیں رکھتی ہے، ایسی صورت میں اگر عورت قاضی سے تفریق کا مطالبہ کرے تو بعدِ ثبوتِ صحتِ دعویٰ قاضی زن و شو کے درمیان تفریق کر دے۔

یہ دونوں صورتیں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک پر ہیں، مگر ضرورت و مصلحت کے پیشِ نظر ہمارے کچھ علما نے اس پر فتویٰ دیا ہے، جیسا کہ «مجمع الانہر» میں ہے۔"

عبدُهٗ المذنب

محمد عبید الرحمٰن غَفرله ربُّه

کتبــــــــــــــــــــــــه

صدر مدرس مدرسه فیض العلوم جمشید پور

۲۶ جمادی الآخره ۱۳۸۹ھ

(۱)صح الجواب بعون الملك الوهاب والمجيب العلّام مصيب و مُثَاب

عبد العزیز عفی عنه، دار العلوم اشرفيه، مبارك پور

(۱)-فتاویٰ رضویہ، ج:۵،ص:۵۰۱،کتاب الطلاق، سنی دار الاشاعت، مبارک پور

(۲)الجواب صحیح .واللہ تعالیٰ اعلم-محمد شریف الحق امجدی
جامعہ عربیہ انوار القرآن، بلرام پور، گونڈہ
(۳) فقیر اس فتویٰ کی تصدیق و توثیق کے ساتھ اس کے محرِّک و مرتب کے لیے اجرِ عظیم کی دعا کرتا ہے۔ فقیر عبد الباقی برھان الحق جبلفوری
۲۷ رمضان ، یوم لیلۃ القدر ۱۳۸۹ھ

دار القُضاۃ کے فرائض ومسائل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم*الیٰ سادۃ علماء الاسْلام

سالِ گزشتہ دار القُضاۃ کے قیام کے سلسلے میں مشاہیر علماے اہلِ سنت سے ایک استفتا کیا گیا جس کے جواب کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(۱)-آج کے ہندوستان میں اپنے ان معاملات کے فیصلے کے لیے جن میں ”مسلمان حاکم“ ہونے کی شرط ہے، جمہور مسلمین کو شرعًا یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی عالمِ باشرع کو اپنا قاضی مقرر کرلیں۔ ایسے قاضی کا فیصلہ اپنے حدودِ خاص میں جائز و نافذ ہوگا۔(شامی، جامع الفصولین، فتاویٰ رضویہ، بہارِ شریعت)

(۲)-مفقود الخبر، معدومۃ النفقہ، عِنّین، مجنون، مُعَلَّقہ وغیرہا مسائل میں ازروے شرع مسلمانوں کا مقرر کردہ قاضی عورت کی درخواست پر زن و شوہر کے درمیان تفریق بھی کرا سکتا ہے اور عند الضرورۃِ الشّدیدۃ غائب پر حکم بھی نافذ کرسکتا ہے۔(فتح القدیر، شامی، جامع الرموز، مجمع الانہر)

(۳)-مسلمانوں کا مقرر کردہ قاضی بہ شرائط مخصوصہ و معہودہ فریقَین کے بیانات سننے کے بعد اپنی صواب دید پر مقدمات کا فیصلہ کرسکتا ہے اور شرعًا اس کا فیصلہ نافذ ہوگا۔(شامی وغیرہ)

مذکورہ بالا جوابات کی جن علماے اہلِ سنت نے توثیق فرمائی تھی، ان کے اسماے

گرامی یہ ہیں:

(۱) تاج دارِ اہلِ سنت حضور مفتیِ اعظم ہند دامت برکاتہم القدسیہ
(۲) سید العلما حضرت مولانا سید شاہ آلِ مصطفیٰ صاحب قبلہ دام ظلہ العالی
(۳) استاذ العلما حضرت مولانا عبد العزیز صاحب قبلہ دام ظلہ العالی
(۴) امینِ شریعت حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب قبلہ مد ظلہ العالی
(۵) مجاہدِ ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ دامت برکاتہم
(۶) حضرت علامہ قاضی شمس الدین صاحب قبلہ جون پوری دام ظلہ العالی
(۷) حضرت علامہ الحاج عبد الرشید خان صاحب قبلہ مفتیِ ناگ پور دام ظلہ العالی
(۸) حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی مفتیِ اشرفیہ دام ظلہ العالی
و حضرات علماے فیض الرسول براؤں شریف (۱)

ان تاریخی فیصلوں کو امام اعظم ابو حنیفہ نیز دوسرے فقہاے حنفیہ اور امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اختلاف نہیں کہا جا سکتا۔ تو پھر آج ان بزرگوں کے نقشِ قدم کی پیروی کو بھی اختلاف نہیں «اتباع» سمجھنا چاہیے۔

---

(۱)-دار القضاۃ کے فرائض و مسائل، ص:۱
علماے اہلِ سنت کی متفقہ قرار داد کا نام آسانی کے لیے راقم الحروف نے «دار القُضاۃ کے فرائض و مسائل» رکھا ہے۔ یہ فُل اسکیپ سائز کے بارہ صفحات پر مشتمل ہے، یہ قرار داد مجھے محبِ گرامی حضرت مولانا محمد علی فاروقی صاحب دام مجد ہم مہتمم یتیم خانہ اصلاح المسلمین (رائے پور، چھتیس گڑھ) کے ذریعہ ۲۰ر شوال المکرم ۱۴۳۴ھ بدھ کو قبلِ عصر ملی۔ ہم اس کے لیے مولانا موصوف کے تہِ دل سے شکر گزار ہیں خداے پاک انھیں جزاے خیر عطا فرمائے اور انھیں یہ قرار داد خود قائدِ ملت، رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بدست ملی۔ ہم یہ پوری قرار داد افادۂ عام کے لیے «مجلسِ شرعی کے فیصلے» کے مقدمہ میں شائع کر رہے ہیں۔ ۱۲ محمد نظام الدین غفرلہ

(۴)-سیپ کا چونا حرام یا حلال؟

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے سیپ کا چونا کھانا فتاویٰ رضویہ اور فوائد رضویہ میں حرام لکھا ہے۔ فوائد کے الفاظ یہ ہیں:

"سیپ کا چونا حرام ہے، جس پان پر وہ چونا لگا ہو اس کا کھانا حرام ہے۔" (۱)

لیکن علماے بہار نے اسے حلال قرار دیا ہے، چناں چہ شارح بخاری حضرت العلام مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"علماے بہار سیپ کا چونا حلال جانتے ہیں، بعض حضرات نے اس کی حلت کا فتویٰ بھی تحریر فرمایا ہے۔" (۲)

سیپ جنسِ ارض سے ہے اس لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اسے حرام فرمایا مگر بہار، چمپارن اور اس کے آس پاس کے یوپی کے لوگ سیپ کو آگ میں جلا کر راکھ کو پانی میں ملا کر چونا بناتے اور پان وغیرہ کے ساتھ اسے کھاتے تھے اور اس میں ان علاقوں کے عوام و خواص سبھی مبتلا تھے تو عمومِ بلویٰ کی وجہ سے ان علاقوں میں حکم میں نرمی و تخفیف ہو گئی مگر عامۂ بلاد اتر پردیش میں اُس وقت عمومِ بلویٰ قطعًا نہ تھا، اس لیے یہاں حکم وہی تھا جو فتاویٰ رضویہ میں مرقوم ہے کہ سیپ کا چونا حرام ہے۔

یہ علماے بہار کا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے اختلاف نہیں ہے بلکہ حالات کے بدلنے سے احکام کے بدلنے کا اظہار ہے۔

(۵)-فوٹو کھنچوانا کب حرام اور کب حلال؟

کسی انسان کو اپنا فوٹو کھنچوانا حرام و گناہ ہے، اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے متعدّد فتاویٰ ہیں اور ایک فتویٰ تو بہت تحقیقی ہے جو باضابطہ کتاب کی شکل میں "عطایا

(۱)-فوائد رضویہ بر حاشیہ فتاویٰ رضویہ، ص:۷۰۱، ج:۱.
(۲)-اسلام اور چاند کا سفر، عنوان: معذرت، ص:۲۰.

القدیر فی احکام التصویر" کے نام سے بارہا چھپ چکا ہے۔ یہی فتویٰ میرے مرشد برحق حضور مفتیِ اعظم اور حضور حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی رحمہا اللہ تعالیٰ کا بھی ہے، ان بزرگوں کی شان تو بہت نرالی تھی، یہ حرام کہتے تھے تو ممکن حد تک اس سے بچتے بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں نے حجِ کعبہ کا عزمِ سفر اس وقت تک نہیں کیا جب تک کہ انھیں بغیر فوٹو حج کی اجازت نہیں مل گئی، سچ ہے: ع

"جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں"

مگر بعد میں حضرت مولانا مفتی محمد اجمل شاہ سنبھلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حج فرض کے لیے فوٹو کھچوانے کی اجازت دے دی، اس موضوع پر ان کا تفصیلی فتویٰ "فوٹو کا جواز در حق عازمانِ حجاز" کئی بار چھپ چکا ہے۔

پھر جب ۱۴۱۵ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۴ء میں مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے دوسرے فقہی سیمینار(۱) کے موقع پر حضرت علامہ ارشد القادری صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حق رائے دہی کے لیے فوٹو کے لزوم کے تعلق سے چیف الیکشن کمشنر آف انڈیا، ٹی این سیشن کے اعلان اور اس کے فوائد و نقصانات کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے "تصویر کشی" کے مسئلے پر بحث و نظر کی تحریک پیش کی تو اس پر مختلف حیثیتوں سے بحثیں ہوئیں پھر بوجہ ضرورت فوٹو کھنچوانے کے جواز پر تمام فقہاے سیمینار کا اتفاق ہو گیا۔

اس پر ایک اعتراض یہ ہوا کہ ابھی ضرورت شرعیہ موجود نہیں تو جانشین مفتیِ اعظم حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری دام ظلہ العالی نے فرمایا کہ:

"عند الطلب ضرورتِ شرعیہ کی بنا پر فوٹو کھنچوانے کی اجازت ہے۔"

پھر آپ نے ہی فیصلہ املا کرایا، جس کا متن یہ ہے:

"چوں کہ اس صورت میں عند الطلب ضرورتِ ملجئہ یا حاجتِ شدیدہ متحقق

(۱)- یہ سیمینار ۱۹/ تا ۲۲/ رجب ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۳/ تا ۲۶/ دسمبر ۱۹۹۴ء جمعہ تا دوشنبہ جامعہ اشرفیہ کی سنٹرل بلڈنگ کے کمرہ نمبر: ۷، میں منعقد ہوا تھا۔ مؤلف غفرلہ۔

ہوگی۔ لہٰذا خاص شناختی کارڈ کے لیے تصویر کھنچانے کی اجازت ہوگی۔ الضرورات تبیح المحظورات ——والحاجة تنزل منزلة الضرورة– وما ابیح للضرورة یتقدر بقدرها—— کذا فی الاشباہ– واللہ تعالیٰ اعلم.

بقلم محمد احمد مصباحی

فقیرمحمد اختر رضا قادری ازهری غفرله شب ۲۲ رجب ۱۴۱۵ھ

تصدیقاتِ علماے کرام:

[۱] محمد شریف الحق امجدی (صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) [۲] ارشد القادری غفرلہ (بانی جامعہ نظام الدین دہلی) [۳] ضیاء المصطفیٰ قادری (صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) [۴] عبدالحفیظ عفی عنہ (سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) [۵] جلال الدین احمد الامجدی (صدر شعبۂ افتا، فیض الرسول، براؤں شریف) [۶] بہاء المصطفیٰ قادری (استاذ دار العلوم منظر اسلام، بریلی شریف) [۷] شبیر حسن رضوی (مفتی الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، فیض آباد) [۸] خواجہ مظفر حسین (صدر المدرسین دار العلوم نور الحق، چرہ محمد پور، فیض آباد) [۹] محمد عبد المبین نعمانی (صدر المدرسین دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ، مئو) [۱۰] محمد نظام الدین رضوی (نائب مفتی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) [۱۱] محمد عبد الحق رضوی (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) [۱۲] محمد معراج القادری (رکن مجلسِ شرعی مبارک پور) [۱۳] قاضی شمس الدین اشرفی (ناظم و مفتی مدنی عربک کالج ہبلی) [۱۴] عابد حسین مصباحی (مفتی فیض العلوم، جمشید پور) [۱۵] اختر حسین قادری (استاذ دار العلوم ربانیہ، باندہ) [۱۶] قاضی شہید عالم (مفتی مدرسہ شمس العلوم، بدایوں) [۱۷] زاہد علی سلامی (ناظمِ تعلیمات مدرسہ فیض العلوم، سنبھل)

کیا ان علما نے فتاویٰ رضویہ اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے اختلاف کیا تھا؟ ایسا نہیں، بلکہ سچ یہ ہے کہ ان حضرات نے حالات بدل جانے کی وجہ سے حکم شرعی کے بدلنے کا اظہار فرمایا تھا۔

(۶)- پیشاب کی چھینٹوں سے آلودہ کپڑے سے پانی ناپاک ہوگا یا نہیں ؟

پیشاب کی بہت باریک چھینٹیں کپڑے پر پڑ جائیں تو کپڑا ناپاک نہ ہوگا، لیکن وہ کپڑا تھوڑے پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہوگا یا نہیں اس بارے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ناپاک ہوجائے گا۔ اس کے بعد صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ ناپاک نہیں ہوگا۔ شہادت کے لیے فتاویٰ رضویہ کے فوائد اور بہارِ شریعت کی درج ذیل تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

فوائد رضویہ میں ہے:

”سوئی کی نوک برابر باریک باریک بُندیاں نجس پانی یا پیشاب کی، کپڑے یا بدن پر پڑ گئیں معاف رہیں گی اگرچہ جمع کرنے سے روپے بھر سے زائد جگہ میں ہوجائیں مگر پانی پہنچا اور نہ بہا، یا غیر جاری پانی میں وہ کپڑا گر گیا تو پانی نجس ہوجائے گا اور اب اس کی نجاست سے کپڑا بھی ناپاک ٹھہرے گا۔“ (۱)

اور بہارِ شریعت میں ہے:

”پیشاب کی نہایت باریک چھینٹیں سوئی کی نوک برابر کی بدن یا کپڑے پر پڑ جائیں تو کپڑا اور بدن پاک رہے گا۔ جس کپڑے پر پیشاب کی ایسی باریک چھینٹیں پڑ گئیں، اگر وہ کپڑا پانی میں پڑ گیا تو پانی بھی ناپاک نہ ہوگا۔“ (۲)

بلا شبہہ بہارِ شریعت کا یہ حکم فوائد رضویہ کے درج بالا حکم سے الگ ہے۔ کیا یہ فتاویٰ رضویہ سے انحراف ہے یا صدر الشریعہ جیسے مؤدّب مرید و تلمیذ نے اپنے مرشدِ کریم و استاذ جلیل سے اختلاف کیا ہے؟

قطعًا ایسا نہیں، یہاں نہ انحراف ہے نہ اختلاف۔

(۱)-حاشیہ فتاویٰ رضویہ، ج:۱، ص:۱۳۵، باب الغسل، کتاب الطہارۃ.
(۲)-بہارِ شریعت، ج:۱، حصہ:۲ ، نجاستوں کا بیان، مسئلہ: ۲۳، ۲۴.

واقعہ یہ ہے کہ سوئی کی نوک برابر پیشاب کی چھینٹوں سے آلودہ ہونے میں عموم بلویٰ ہے مگر ایسے کپڑے کے پانی میں گرنے میں عموم بلویٰ نہیں، اس لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے پہلی صورت میں کپڑے کو پاک اور دوسری صورت میں پانی کو ناپاک بتایا مگر کچھ عرصہ بعد حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احوال ناس پر نگاہ ڈالی اور یہ محسوس کیا کہ دوسری صورت میں بھی عمومِ بلویٰ ہو چکا ہے کیوں کہ لوگ ایسے کپڑے عام طور پر دھونے کے لیے پانی میں ڈال دیتے ہیں، اور پانی کی ناپاکی کا انھیں کوئی خیال بھی نہیں آتا اس لیے آپ نے اسے بھی عفو کے خانے میں رکھتے ہوئے اس پانی اور کپڑے کے پاک ہونے کا حکم دیا، تو حق یہ ہے کہ یہ اختلاف و انحراف نہیں، بلکہ حالاتِ زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے حکم کے بدلنے کا اظہار ہے۔

پھر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے حکمِ ظاہر کے خلاف صدر الشریعہ کا یہ حکم بھی صرف ایک مختصر عرصے (بہارِ شریعت پر تصدیق رقم فرمانے سے پہلے تک) کے لیے ہے کیوں کہ بہارِ شریعت حصہ دوم پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی تصدیق جلیل ہے، جو بہار شریعت کے درج بالا حکم سے اتفاق اور اس کی تائید ہے۔ لہٰذا اب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کا بھی موقف وہی ہے جو بہارِ شریعت میں ہے۔

ہم پہلے یہ ذکر کر آئے ہیں کہ ضرورت، حاجت وغیرہ ساتوں شرعی اسباب کی بنا پر جو حکم بدلتا ہے وہ صاحب مذہب سے اختلاف نہیں ہے کیوں کہ اگر صاحب مذہب اُس ''سبب شرعی'' کے پائے جانے کے وقت موجود ہوتے تو وہی حکم دیتے جو اَب دیا جارہا ہے۔ اس کی واضح شہادت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی یہ تصدیق جلیل ہے کہ عموم بلویٰ نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے پانی کی ناپاکی کا حکم دیا تھا پھر جب حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عموم بلویٰ پائے جانے کی وجہ سے پاکی کا حکم دیا اور حسنِ اتفاق کہ ابھی اس وقت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ باحیات تھے، آپ نے اس سے اتفاق کر لیا۔

حضرت صدر الشریعہ اور اعلیٰ حضرت علیہما الرحمۃ والرضوان کا یہ عمل بعد والوں کے لیے درسِ عبرت ہے۔ ان سے عقیدت رکھنے والے حضرات کو بھی یہی روش اختیار کرنی چاہیے۔

(۷)-لڑکیوں اور عورتوں کو لکھنا سکھانا ممنوع یا مباح؟

لڑکیوں اور عورتوں کو لکھنا سکھانا شرعاً ممنوع ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"عورتوں کو لکھنا سکھانا شرعاً ممنوع و سنتِ نصاریٰ و فتحِ بابِ ہزاراں فتنہ اور مستانِ سرشار کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے جس کے مفاسد شدیدہ پر تجاربِ جدیدہ شاہدِ عدل ہیں۔ متعدّد حدیثیں اس سے ممانعت میں وارد ہیں جن میں بعض کی سند عند التحقیق خود قوی ہے اور اصل متن حدیث کے معروف و محفوظ ہونے کا امام بیہقی نے افادہ فرمایا اور پھر تعدُّدِ طُرق دوسری قوت ہے اور عملِ امت و قبول علما تیسری قوت اور محلِ احتیاط و سدِّ فتنہ چوتھی قوت تو حدیث لااقل (کم سے کم) حسن ہے اور ممانعت میں اس کا نص صریح ہونا خود روشن ہے۔"(۱)

اسی فتویٰ کے اواخر میں ہے:

"بعد تلاش و تفحص صرف معدود نسا (چند عورتوں) کی کتابت کا پتہ چلنا ہی بتا دیتا ہے کہ سلفاً خلفاً علما و عامۂ مومنین کا عمل اس کے ترک ہی پر رہا ہے۔ مرد ہر زمانے میں لاکھوں کاتب ہوئے اور عورتیں تیرہ سو برس میں معدود۔ بظاہر کتابت ایک عظیم نافع چیز ہے، اگر کتابتِ نسا (عورتوں کے لکھنے) میں حرج نہ ہوتا جمہور امت، سلف سے آج تک اس کے ترک پر کیوں اتفاق کرتے، بالجملہ سبیل سلامت اسی میں ہے، لہٰذا ان اجلّۂ علمائے کرام امام حافظ الحدیث ابو موسیٰ و امام علامہ تورپشتی و امام ابن الاثیر جزری و علامہ طیبی و امام جلال الدین سیوطی و علامہ طاہر فتنی و شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی و غیر ہم رحمۃ اللہ علیہم نے اس طرف میل فرمایا وہ ہر طرح ہم سے اعلم (زیادہ علم والے) تھے اب جو اجازت کی طرف جائے یا حالِ زمانہ سے غافل ہے یا امت مرحومہ کی خیر خواہی سے عاطل۔"(۲)

مگر آج کے علمائے اہل سنت کا عمل اس کے بر خلاف یہ ہے کہ وہ اپنی بچیوں کو

(۱)-فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص:۱٥٤.
(۲)-فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص:۱۸٥.

دینی اور دنیوی درس گاہوں میں دیگر علوم وفنون کے ساتھ لکھنا سیکھنے، سکھانے کی بھی تعلیم دلاتے ہیں جس سے ظاہر یہی ہے کہ ان کا موقف جواز کا ہے بلکہ پچیس تیس سال کے اندر طالبات کے لیے بہت سے مدرسے علمانے قائم کیے جن میں لکھنا بھی سکھایا جاتا ہے، اور ان مدارس کو عوام وخواص کا تعاون، تائید اور سرپرستی بھی حاصل ہے، ہم یہاں چند علما کے نام ذکر کرتے ہیں۔

(۱)-بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

(۲)- محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ۔

حضرت بحر العلوم ایک عرصۂ دراز تک دار العلوم اہل سنت شمس العلوم گھوسی کے شیخ الحدیث اور مفتیِ جلیل الشان تھے آپ کے زمانے میں ہی شمس العلوم کا مدرسۂ نسواں بلا انکار نکیر قائم ہوا اور وہ شان کے ساتھ چل رہا ہے۔

اور حضرت محدث کبیر نے تو خود ہی کلیۃ البنات قائم کیا ہے جس میں بیرونی طالبات کے قیام وطعام کا بھی معقول بندوبست ہے اور ایک باضابطہ دار العلوم کے طور پر حضرت اسے چلا رہے ہیں۔

ایک سن رسیدہ بزرگ ہیں الحاج شیخ اسماعیل جانی جو علما کی صحبت سے خوب فیض یاب ہیں اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ وفتاویٰ رضویہ کے تو عاشق ہیں انھوں نے خود مہاراشٹر کے ایک شہر رتناگیری میں "دار العلوم امام احمد رضا" کے نام سے ایک بڑا ادارہ قائم کیا ہے، اور اس میں لڑکیوں کی تعلیم کا اعلیٰ انتظام ہے۔ اور اس تعلیم میں لکھنا سکھانا بھی شامل ہے۔ وہ دار العلوم جس کی نسبت امام احمد رضا کی طرف ہو اس میں بظاہر آپ ہی کے فتوے کے خلاف عورتوں کو لکھنے کی تعلیم ہو کیا اس نام اور کام میں آپ کوئی تضاد محسوس کر رہے ہیں؟

کیا یہ تمام حضرات فتاویٰ رضویہ سے منحرف ہو چکے؟ ایسا کہنا بڑی بے ادبی ہوگی، جو صاحب چاہیں ہمارے موجودہ علما سے رابطہ قائم کر لیں وہ انشاء اللہ تعالیٰ مطمئن فرمادیں گے کہ حالاتِ زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے یا کچھ اور دینی وملی مصالح کی بنا پر یہ اقدام کیا گیا ہے اور جب زمانے کے حالات یا مصالح بدلتے ہیں تو احکام بھی بدل جایا کرتے ہیں۔

(۸)-اب وادیِ مُحَسّر میں وقوف کی اجازت

جو لوگ حج کے لیے جاتے ہیں ان پر واجب ہے کہ طلوع صبح صادق سے لے کر طلوعِ آفتاب سے کچھ پہلے تک مُزدَلِفہ میں ٹھہر کر اللہ عزوجل کا ذکر و عبادت کریں، اسے فقہ کی اصطلاح میں "وقوفِ مزدلفہ" کہا جاتا ہے، مُزدَلفہ کے حدود میں ایک وادی ہے "وادی مُحَسّر" یہاں اصحاب فیل پر ابابیل کا عذاب نازل ہوا تھا جس کا ذکر "اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝" میں ہے، یہ وادی "مُزدَلِفہ" سے نہیں کیوں کہ جس جگہ خدائے قہار کا عذاب نازل ہوا وہاں سے تیزی کے ساتھ گزر جانے کا حکم ہے پھر وہ جگہ ذکر و عبادت کے لیے "جائے وقوف" کیوں کر ہو سکتی ہے۔ اسی لیے فقہائے مذہب نے حاجیوں کو وہاں سے جلد گزر جانے کا حکم دیا ہے اور وقوف کی اجازت نہیں دی، یہی حنفیہ کا مذہب مشہور ہے اور اسی پر فتویٰ۔ اس کے برخلاف ایک حنفی فقیہ صاحب بدائع کی اپنی رائے ہے کہ "وادی محسّر میں بھی وقوف کراہت کے ساتھ جائز ہے۔" مگر فقہائے مذہب نے اسے اختیار نہیں فرمایا اور خود فقیہ بے مثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہما نے بھی اس سے صرف نظر فرما کر قول مشہور پر ہی عمل کا حکم دیا، فتاویٰ رضویہ، رسالہ "انورُ البشارۃ" کے الفاظ یہ ہیں:

"جب وادی محسر پہنچو، پانچ سو پینتالیس ہاتھ بہت جلد تیزی کے ساتھ چل کر نکل جاؤ مگر نہ وہ تیزی کہ جس سے کسی کو ایذا ہو اور اس عرصہ میں یہ دعا کرتے جاؤ۔ اَللّٰهُمَّ لَاتَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِك. الٰہی اپنے غضب سے ہمیں قتل نہ کر، اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کر اور اس سے پہلے ہمیں عافیت دے۔"[1]

"وادی مُحَسّر کیا ہے؟" اس کے بارے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"یہ منیٰ، مزدلفہ کے بیچ میں ایک نالہ ہے، دونوں کی حدود سے خارج، مُزدلِفہ

(۱)-فتاویٰ رضویہ، ج:٤، ص:٧١٠، سنی دارالاشاعت، مبارك پور.

سے منیٰ کو جاتے بائیں ہاتھ کو جو پہاڑ پڑتا ہے اس کی چوٹی سے شروع ہو کر ۵۴۵ ر ہاتھ تک ہے، یہاں اصحابُ الفیل آکر ٹھہرے تھے اور ان پر "عذابِ ابابیل" اُترا تھا، اس سے جلد گزرنا اور عذاب الٰہی سے پناہ مانگنا چاہیے۔"[۱]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا مقام فقہ و تحقیق بہت ہی بلند ہے اس لیے آپ نے جو تحریر فرما دیا ہم اسے بلا چون و چرا تسلیم کرتے ہیں۔

مگر اب شرعی کونسل آف انڈیا، بریلی شریف کا موقف اس کے بر خلاف یہ ہے کہ عذرِ ناگزیر ہو تو وادیِ محسّر میں وقوف کیا جا سکتا ہے، فیصلے کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"سیمینار کے مندوبین بھی اسی پر متفق ہیں۔ عذرِ ناگزیر کی صورت میں قولِ بدائع پر عمل کر سکتا ہے۔"[۲]

"قولِ بدائع" اوپر گزر چکا کہ:

"وادی مُحسّر میں وقوف کراہت کے ساتھ جائز ہے۔"[۳]

تو شرعی کونسل کے فیصلے کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ: عذرِ ناگزیر ہو تو وادیِ مُحسّر میں وقوف کر سکتا ہے۔ اس سے واجب کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گا۔

وقوف مزدلفہ میں شرعاً عذر کا اعتبار ہے اور خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ارشاد کے مطابق شریعت نے معذورین کا اس درجہ لحاظ کیا ہے کہ ان سے «وقوفِ مزدلفہ» کو ہی ساقط فرما دیا ہے، آپ لکھتے ہیں:

"اور عورتوں اور نہایت کمزور مردوں اور بیماروں کو بخوفِ ہجوم خود شرع بھی رات سے چل دینے کی اجازت (عطا) فرماتی ہے، اُنھیں کوئی جرمانہ نہ دینا ہو گا۔"[۴]

---

(۱)-حاشیه فتاویٰ رضویه، ج:٤، ص:٧١٠، رساله أنور البشارة.
(۲)-مسلک اعلیٰ حضرت کا پاسبان ماہنامہ سنی دنیا، بریلی شریف، شرعی کونسل آف انڈیا کا فقہی سیمینار نمبر، بریلی شریف، شمارہ ستمبر ۲۰۰۹ء، ص:۷۷.
(۳)-قول بدائع، ۸۸/ ۳.
(۴)-فتاویٰ رضویه، ص:٦٦٨، ج:٤، سنی دارالاشاعت، مبارك پور.

مگر اب شاید کوئی "عذر ناگزیر" ایسا پیدا ہوگیا ہے جس کی بنا پر وقوفِ مزدلفہ چھوڑے بغیر وادیِ محسَّر میں وقوف کی اجازت دی گئی ہے میں تو حسن ظن کی بنا پر یہی سمجھتا ہوں کہ حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے کسی خاص قسم کے معذور کو "وادیِ عذاب" میں وقوف کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی گئی ہے اور حقیقت حال خداے علیم و خبیر کو خوب معلوم ہے۔

(۹)-الکحل آمیز دواؤں کا حکم

اُلکُحل کا معنی ہے روح شراب، خالص شراب اسے دواؤں کی حفاظت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، انگریزی دواؤں میں تقریبًا ہر رقیق دوا میں، اور کچھ انجکشنوں میں اس کی آمیزش ہوتی ہے اور ہومیو پیتھک کی سو فیصد دواؤں میں اس کی آمیزش ہوتی ہے اور الکحل ہی ان کا جزوِ اعظم ہوتا ہے، مذہب مفتی بہ پر ایسی دواؤں کا استعمال حرام ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"صحیح یہ ہے کہ مائعات مُسکِرہ یعنی جتنی چیزیں رقیق وسیّال ہو کر نشہ لاتی ہیں خواہ وہ مہوہ سے بنائی جائیں یا گُڑ یا اناج یا لکڑی کسی بلا سے وہ سب شراب ہیں، ان کا ہر قطرہ حرام بھی اور پیشاب کی طرح نجس و ناپاک بھی اور ان سے نشے میں شراب کی طرح حد بھی ہے اور صحیح یہ ہے کہ دوا میں بھی ان کا استعمال حرام ہی ہے۔ در مختار میں ہے:

حرّمها محمد مطلقًا قليلها وكثيرها. وبه يفتي." (۱)

اس فتوے کے ایک صدی بعد جب حالات بہت زیادہ بدل گئے اور لوگوں کا الکحل آمیز دواؤں سے بچنا دشوار ہوگیا تو جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں اس موضوع پر فقہی سیمینار ہوا، یہ مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کا پہلا فقہی سیمینار تھا جس میں ستر علماے اہل سنت شریک ہوئے ان میں بڑے نمایاں نام یہ تھے:

(۱) جانشین حضور مفتی اعظم حضرت علامہ اختر رضا خان ازہری دامت برکاتہم العالیہ بریلی شریف (۲) نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ سرپرست

(۱)-فتاویٰ رضویہ، ج:۱۱، ص:۸۵، ادارہ اشاعت تصنیفات رضا.

مجلس شرعی (۳) بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ الحدیث دار العلوم اہل سنت شمس العلوم، گھوسی (۴) حضرت مولانا سید ظہیر احمد زیدی تلمیذ رشید حضرت صدر الشریعہ علیہما الرحمۃ، علی گڑھ (۵) محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، صدر مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ (۶) فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمۃ، دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف (۷) حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی، صدر المدرسین دار العلوم نور الحق، چرہ محمد پور، فیض آباد (۸) حضرت مولانا مفتی محمد اعظم صاحب ٹانڈوی شیخ الحدیث دار العلوم مظہر اسلام و صدر مفتی رضوی دار الافتا، بریلی شریف (۹) حضرت مولانا قاضی عبد الرحیم بستوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مفتی مرکزی دار الافتا بریلی شریف۔

شرکاے سیمینار نے تمام مقالات کی سماعت اور بحث و تمحیص کے بعد یہ نتیجۂ بحث فیصل بورڈ کو پیش کیا۔

"الکحل آمیز دواؤں کا استعمال جائز ہے یا نہیں محل غور ہے اکثر شرکا کا رجحان جواز کا ہے۔"

پھر ۳،۴ر شعبان ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۶ر جنوری ۱۹۹۴ء (شنبہ و یک شنبہ و شبِ دو شنبہ) فیصل بورڈ کا اجلاس بنارس میں ہوا جس میں علماے بنارس اور علماے اشرفیہ بھی شریک تھے وہاں بھی بحثیں ہوئیں، پھر فیصل بورڈ نے یہ فیصلہ تحریر کیا:

"مجلس شرعی کی ساری ابحاث اور حضرات مفتیان کرام کے موصولہ مقالات پر غور کرنے کے بعد فیصل بورڈ اس نتیجے پر پہنچا ہے:

"اس عہد میں انگریزی دواؤں یعنی اسپرٹ، الکحل اور ٹنکچر آمیز دواؤں کا استعمال عموم بلویٰ کی حد تک پہنچ چکا ہے۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے پُڑیا کی رنگت کے بارے میں عموم بلویٰ اور دفع حرج کی بنیاد پر طہارت اور جواز کا فتویٰ دیا ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ ج:۲، ص:۴۵، اور ص:۵۰ر نیز فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم، ص:۵۴ رسالہ الفقہ التسجیلی فی عجین النار جیلی میں ہے۔اس ارشاد کی روشنی میں فیصل بورڈ کے

ارکان اس بات پر متفق ہیں کہ مذکورہ انگریزی دواؤں کے استعمال کی بھی بوجہ عموم بلویٰ، دفعِ حرج کے لیے اجازت ہے البتہ یہ اجازت صرف انھیں صورتوں کے ساتھ خاص ہے جن میں ابتلائے عام اور حرج متحقق ہو۔ "[1]

فیصل بورڈ تین علما پر مشتمل تھا:

(۱)-جانشین مفتی اعظم حضرت علامہ ازہری صاحب قبلہ دام ظلہ العالی۔

(۲)-محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری دام ظلہ العالی۔

(۳)-فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ان حضرات کا یہ فیصلہ یقیناً فتاویٰ رضویہ سے انحراف نہیں کہا جا سکتا، بلکہ فی الواقع یہ حالات کے بدلنے سے حکم کے بدلنے کا اظہار ہے۔

ہمیں آج کے اصحابِ فقہ و تحقیق علمائے کرام کی تحقیقات کو بھی اسی نظر سے پڑھنا اور سمجھنا چاہیے۔

(۱۰)-چلتی ریل میں نماز کا حکم

ریل کوئی ڈیڑھ صدی پہلے کی ایجادات سے ہے۔ اس لیے اس کا حکم کتب مذہب میں نہیں ملتا۔ ہمارے فقہاے حنفیہ نے چلتے چوپائے اور کشتی میں نماز کے احکام کو سامنے رکھ کر چلتی ریل میں نماز کے احکام پر تحقیقی مطالعہ کیا مگر ان کی تحقیقات مختلف ہو گئیں کچھ نے جواز کا قول کیا۔[2] کچھ نے عدم جواز کا، اور کچھ نے عدم جواز کو

(۱)-صحیفۂ مجلس شرعی، ج:۱، ص:۳۰.

(۲)-مثلاً: حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلی، لکھنوی۔ آپ نے اپنے مجموعۃ الفتاویٰ میں چلتی ریل میں نماز کو درست کہا ہے چناں چہ جواز کے ایک فتوے پر تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شکے نیست دریں کہ نماز خواہ فرض باشد یا غیر آں در ریل گاڑی خواہ متحرک باشد یا ساکن جائز ست واعذار مذکورۂ سوال مؤکد ہستند واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ ابوالحسنات محمد عبد الحی عفا اللہ عنہ۔ (مجموعۃ الفتاویٰ کتاب الصلوٰۃ بر حاشیہ خلاصۃ الفتاویٰ، ج:۱، ص:۹۸) عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں بھی ایسا ہی ہے، محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی التعلیق المجلی میں یہ انکشاف فرمایا ہے کہ کچھ علما چلتی ٹرین میں نماز کی صحت کا موقف

"زیادہ احتیاط" قرار دیا۔ چودھویں صدی ہجری کے ایک مایہ ناز فقیہ و محدث اور بلند پایہ محقق حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احوط عدم جواز کو بتایا، مگر جس تحقیق پر جمہور فقہاے اہلِ سنت نے عام طور پر اعتماد و عمل کیا وہ تحقیق ہے فقیہ بے مثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی۔ آپ کے فتوے کا ایک اقتباس یہ ہے:

"فرض اور واجب جیسے وتر و نذر اور ملحق بہ یعنی سنت فجر چلتی ریل پر نہیں ہو سکتے اگر ریل نہ ٹھہرے اور وقت نکلتا دیکھے پڑھ لے پھر بعد استقرار اعادہ کرے۔ تحقیق یہ ہے کہ استقرار بالکلیہ ولو بالوسائط زمین یا تابع زمین پر کہ زمین سے متّصل باتصال قرار ہو ان نمازوں میں شرط صحت ہے مگر بہ تعذُّر ولہذا دابّہ (چوپایہ) پر بلا عذر جائز نہیں .... بخلاف کشتیِ رواں جس سے نزول میسّر نہ ہو کہ اسے اگر روکیں گے بھی استقرار پانی پر ہو گا، نہ کہ زمین پر۔ لہٰذا سیر و وقوف برابر، لیکن اگر ریل روک لی جائے تو زمین

رکھتے ہیں۔ اور بعد میں بھی بلادِ اسلام کے بہت سے علما چلتی ریل میں جواز نماز کے قائل رہے ہیں اور آج بھی ہیں مثلاً فقیہِ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد نور اللہ نعیمی قادری بانی دار العلوم حنفیہ بصیر پور نے چلتی ٹرین میں جوازِ نماز کی صراحت اپنے متعدّد فتاویٰ میں کی ہے۔ ایک فتوے کا اقتباس یہ ہے۔

مہرِ نیم روز کی طرح واضح ہوا کہ ریل رواں میں فرض جائز ہے .... اور چلتی گاڑی میں جوازِ نماز کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر مسافر کو اترنے میں جان کا، یا بیمار ہونے، یا بیماری بڑھنے کا یا درندہ یا دشمن کا خطرہ یا گاڑی چلنے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں چلتی گاڑی پر نماز جائز ہے۔" (فتاویٰ نوریہ، جلد اول، ص:۱۲۸) ایسا ہی ص:۵۹/ وغیرہ پر بھی ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ چلتی ٹرین میں نماز کے صحیح ہونے، نہ ہونے کا مسئلہ ابتدا سے ہی اختلافی رہا ہے اور آج بھی اختلافی ہے، یہ مسئلہ نہ اجماعی تھا، نہ ہے، پھر اجماع نام ہے تمام فقہاے مجتہدین کے اتفاق کا اور عرصۂ دراز سے اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ صدیوں سے مجتہدین پائے ہی نہیں گئے، اس لیے اب کسی مسئلے میں «اجماع شرعی» متصور نہیں اور «محفلِ میلاد شریف» جو فی الواقع «محفلِ ذکرِ رسول» صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے اس کے جواز و استحسان کو علما نے «اجماعی» فرمایا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ اس کے اصول کتاب و سنت سے ثابت اور اجماعی ہیں۔ شامی میں ہے: «اجمع العلماء علی استحباب الذکر سلفاً و خلفًا»۔ ۱۲ نظام الدین غفرلہ

ہی پر ٹھہرے گی اور مثلِ تخت ہو جائے گی۔ **انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکی جاتی ہے اور نماز کے لیے نہیں تو منع من جہۃ العباد ہوا** اور ایسے منع کی حالت میں حکم وہی ہے کہ نماز پڑھ لے اور بعدِ زوالِ مانع اعادہ کرے۔" (۱)

اس فتوے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے چند باتوں کا افادہ فرمایا ہے:

(الف)- فرض اور واجب اور سنت فجر کے صحیح ہونے کے لیے زمین پر ایک جگہ قرار ضروری ہے۔ چلتے ہوئے پڑھیں گے تو نماز نہ ہوگی۔

(ب)- ہاں اگر عذر ہو تو چلتے ہوئے چوپائے پر بھی یہ سب نمازیں صحیح ہیں اور عذر سے مراد عذر سماوی ہے۔

(ج)- چلتی ہوئی ریل میں نماز پڑھنا بھی عذر کی بنا پر ہے۔ کیوں کہ جب ریل چل رہی ہو تو اس سے اتر نہیں سکتے۔

(د)- مگر یہ عذرِ سماوی نہیں کیوں کہ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے ریل روکی جاتی ہے اور نماز کے لیے نہیں۔ تو یہ بندے کے اپنے اختیار سے پیدا کیا ہوا عذر ہے۔ بندہ اپنے اختیار سے عذر پیدا کر دے تو حکم وہی ہے کہ نماز پڑھ لے اور عذر ختم ہونے کے بعد دُہرا لے۔

جب انگریز چلے گئے اور ۱۹۵۰ء میں ریلوے نظام حکومت ہند کے ہاتھوں میں آیا تو اب سارے مسافروں کے کھانے وغیرہ کے لیے ٹرین روکی جانے لگی۔ بیس، بائیس سال پہلے جب محکمہ ریل نے ٹرین کے اندر ہی مسافروں تک کھانا پہنچانے کا انتظام کر دیا تو اس کے بعد سے ٹرین کسی کے کھانے کے لیے نہیں روکی جاتی۔

تقریبًا ایک صدی پہلے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جس بنیاد پر چلتی ریل میں نماز صحیح نہ ہونے کا فتویٰ دیا تھا وہ بنیاد بیسویں صدی کی آخری دہائی میں بدل چکی تھی اس لیے اب حکم بھی بدل جانا چاہیے تھا۔

(۱)-فتاویٰ رضویہ، ج:۳، ص:٤٤، سنی دارالاشاعت، مبارک پور

غور و فکر کا پہلا مرحلہ

مگر اس کے لیے غور و فکر اور نظر ثانی کی ضرورت تھی آپ کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اس فتوے پر نظر ثانی کا کام خود آپ کے گھر سے شروع ہوا اور وہ بھی آپ کے بواسطہ جانشین حضرت تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان ازہری دام ظلہ العالی کی قائم کردہ شرعی کونسل آف انڈیا، جامعۃ الرضا بریلی شریف سے۔

۲۰۰۳ء میں جب نو پیدا مسائل کے شرعی احکام کی تحقیق کے لیے شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف قائم ہوئی تو اس میں سب سے پہلے اسی مسئلے کو موضوع بحث بنایا گیا۔ فقہاے اہل سنت کو اس موضوع پر تحقیقی مقالات لکھنے کی دعوت دی گئی۔ اس سے علما کو حوصلہ ملا اور متعدّد علما و فقہا نے بدلے ہوئے حالات کی بنا پر نماز کے جواز و صحت پر مقالے لکھے اور جب جامعۃ الرضا میں بزمِ مذاکرہ سجی تو اس پر خوب بحثیں ہوئیں۔ کوئی صاحب عدمِ جواز کی دلیل پیش کرتے، تو کوئی جواز کی۔ فریقین کے دلائل اہمیت کے حامل تھے، اور کسی بھی دلیل کو مسترد کرنا مشکل امر تھا، اس لیے فیصل بورڈ بھی کوئی فیصلہ نہ کر سکا اور اپنے فیصلے کے زیرِ عنوان دفعہ ۳؍ و ۴؍ میں یہ لکھ کر اسے زیرِ غور کر دیا کہ:

(۳) باقی یہ صورتیں زیرِ غور ہیں کہ موجودہ حالات میں ٹرینوں کے سفر میں مذہبِ شافعی کے مطابق اسٹیشن پر، یا رُکی ہوئی ٹرین پر دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

(۴) "اسی طرح چلتی ٹرین سے اترنے میں جب کہ ضیاعِ جان و مال کا خطرہ ہو تو ٹرین میں پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ بمعنی قضا ہے یا بمعنی وجوب احتیاطی (بھی زیرِ غور ہے) واللہ تعالیٰ اعلم۔" (۱)

اس طرح فتاویٰ رضویہ کا وہ تحقیقی فتویٰ جو تقریباً ایک صدی سے تمام علماے اہل سنت کے نزدیک معتمد اور مقبول اور واجبُ العمل تھا پہلے موضوع بحث بنا، پھر قابلِ

---

(۱)– مسلک اعلیٰ حضرت کا پاسبان، ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف، شرعی کونسل آف انڈیا کا فقہی سیمینار نمبر ص: ۲۳۔ فیصلہ کا عنوان ہے «سفر میں جمع بین الصلاتین »۔

غور ہوا۔ پانچ سال تک شش و پنج کی کیفیت رہی اور چلتی ٹرین میں نماز کے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ زیر غور ہی رہا پھر ۲۴/۲۵/ رجب ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۸/۱۹/ جولائی ۲۰۰۹ء کو شرعی کونسل نے یہ «بحث» رقم کی:

”ٹرینوں پر نماز کے جواز و عدم جواز سے متعلق بحثوں کے بعد یہ طے ہوا کہ ٹرینوں کا روکنا و چلانا اختیارِ عبد میں ہے اس میں اَعذارِ معتبرہ فی التیمم میں سے کوئی عذر متحقق نہیں ہے کہ چلتی ٹرینوں میں فرض و واجب کے ادا کرنے سے اِسقاط فرض و واجب ہو سکے۔ لہٰذا وقت جا رہا ہو تو جس طرح پڑھنا ممکن ہو پڑھ لے جب موقع ملے اسے دوبارہ پڑھے۔

اعلیٰ حضرت کے زمانے سے لے کر آج تک ٹرینوں کے چلنے، رکنے اور ٹرینوں سے اترنے اور اس پر چڑھنے وغیرہ کے حالات میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے اس لیے ان کے فتویٰ سے عدول کی کوئی وجہ معقول نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔“ (۱)

یہ شرعی کونسل بریلی شریف کے فیصل بورڈ کی اعلیٰ درجہ کی احتیاط اور مثالی دیانت داری ہے کہ ”عطایاے نبویہ“ کے ایک تحقیقی فتویٰ کو پانچ سال تک معلق اور زیر غور رکھنے کے بعد جب انھیں اس سے عدول کی کوئی وجہ معقول نہ ملی تو اسی فتوے کو جاری کر دیا اور یہی حق شناسی کا تقاضاے حسن بھی ہے۔

اس فتویٰ سے عدول نہ کرنے کی دو وجہیں فیصلے میں مذکور ہیں:

(الف) ”ٹرینوں کے چلنے، رکنے اور ٹرینوں سے اترنے اور ان پر چڑھنے وغیرہ کے حالات میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے۔“

اس کلیے میں کئی طرح سے کلام کی گنجائش موجود ہے لیکن ہم یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ جیسے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے زمانے میں ٹرینیں چلتی، رکتی تھیں ویسے ہی آج بھی چلتی رکتی ہیں اور جیسے لوگ اس زمانے میں ٹرینوں سے اترتے اور چڑھتے تھے ویسے ہی آج بھی اترتے

(۱)-ماهنامه سنی دنیا شماره ستمبر ۲۰۰۹ء، ص:۹۵.

اور چڑھتے ہیں اور یہ بالکل صحیح ہے، یہ طریقہ نہ بدلا ہے نہ اس کے بدلنے کی توقع ہے۔

(ب)"ٹرینوں کا روکنا اور چلانا اختیار عبد میں ہے۔"

یہ بھی صحیح ہے کہ ڈرائیور ٹرین کو چلاتا بھی ہے، روکتا بھی ہے۔ یہ عطایاے نبویہ کے فتوے پر نظر ثانی کا پہلا مرحلہ تھا جو گھوم پھر کر وہیں پہنچا جہاں سے شروع ہوا تھا۔

غور وفکر کا دوسرا مرحلہ

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس کے پہلے سیمینار کی بحثوں اور مقالات کی روشنی میں کلام رضا کو سمجھنے کی کوشش کی، اور یہ طے کیا کہ خود "کلامِ رضا" سے آج کے بدلے ہوئے حالات میں جواز کا کوئی راستہ نکلتا ہے تو اس پر چلا جائے ورنہ جو شاہراہِ عمل متعیّن ہو چکی ہے اس سے ایک ذرہ برابر بھی اِدھر اُدھر نہ ہوں۔

مجلس شرعی "کلامِ رضا" کو خود کلامِ رضا سے سمجھنے کو ترجیح دیتی ہے، اسے یہاں بھی برقرار رکھا جیسا کہ ذیل کی سطور سے آپ کو اندازہ ہو گا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے ان الفاظ کو بغور پڑھیے:

"انگریز کے کھانے وغیرہ کے لیے [ریل] روکی جاتی ہے اور نماز کے لیے نہیں تو منع من جهة العباد ہوا (یعنی بندے کا نماز سے روکنا)۔"

بندے کا نماز سے روکنا کب پایا جائے گا؟

اس کے لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے دو شرطیں ذکر کی ہیں:

ایک: انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے ریل کا روکا جانا، اور دوسری شرط: نماز کے لیے نہ روکا جانا۔

اس سے صاف عیاں ہے کہ جب دونوں شرطیں پائی جائیں گی تو منع من جہۃ العباد یعنی بندے کا نماز سے روکنا پایا جائے گا اور جب دونوں شرطیں نہ پائی جائیں: "نہ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکنا۔ نہ نماز کے لیے روکنا۔"

تو "منع مِن جهة العباد " یعنی بندے کا نماز سے روکنا۔ نہ پایا جائے گا۔ یہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں، بلکہ خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے کلامِ جامع کا مفہوم و مراد ہے۔

اور آج کے بدلے ہوئے حالات میں ۲۰/ ۲۲/ سال سے ریل نہ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکی جاتی ہے، نہ کسی اور مذہب کے مسافروں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکی جاتی ہے اور نہ ہی نماز کے لیے روکی جاتی ہے، یہ بات ہر عام و خاص پر ظاہر ہے اور محسوسات و مشاہدات سے ہے جس سے کسی صاحبِ نظر اور صاحبِ انصاف کو انکار نہ ہو گا۔

اس لیے خود سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام سے ثابت ہوا کہ آج کے زمانے میں ٹرین میں نماز سے "منع مِن جهة العباد" (یعنی بندے کا نماز سے روکنا) نہیں پایا جاتا، یہ نہایت سیدھا سادہ مفہوم ہے جو کلامِ رضا سے کھلے طور پر سمجھا جاتا ہے۔

اور جب "منع مِن جهة العباد" یعنی بندے کا نمازے سے روکنا" نہ ہو تو چلتی ہوئی سواری پر جو نماز پڑھی جائے اسے دہرانے کی حاجت نہیں ہوتی۔

یہاں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے ایک ساتھ دو باتوں کا افادہ فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک تو «ظاہر و منطوق » ہے اور دوسری بات « خفی و مسکوت »۔ اور وہ ہے کلام کا «مفہوم مخالف »۔

ظاہر و منطوق:- تو یہ ہے کہ جب مذکورہ دونوں شرطیں پائی جائیں تو "**بندے کا نماز سے روکنا**" پایا جائے گا اور پڑھی ہوئی نماز دُہرانی پڑے گی۔

اور **مفہوم مخالف:-** یہ ہے کہ جب مذکورہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں تو "**بندے کا نماز سے روکنا**" نہ پایا جائے گا اور پڑھی ہوئی نماز دہرانے کی حاجت نہ ہوگی۔

اور کلامِ فقہا میں مفہوم مخالف بھی حجت و دلیل ہے، متعدّد مقامات پر خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اسے صاف صاف لکھا ہے مثلاً آپ کی ایک عبارت ہے:

" کلامِ صحابہ اور بعد کے کلامِ علما میں مفہوم مخالف بے خلافِ مخالف مرعی و

معتبر۔ جیسا کہ تحریر الاصول اور نہر فائق اور در مختار وغیرہا کتب میں اس کی صراحت ہے اور ہم نے اپنے رسالہ «القطوف الدانیه لِمَن اَحسَنَ الجماعة الثانیة» میں ان کتابوں کی عبارتیں نقل کی ہیں۔"(۱)

پھر یہ بات بھی مسلمات سے ہے کہ جب شرط نہ رہے تو اس پر مبنی حکم بھی باقی نہیں رہتا اور یہاں ایسا ہی ہے کہ حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے شرط ہی باقی نہ رہی۔ اس کی نظیر برقی پنکھوں اور بلبوں کا استعمال ہے جس کا بیان بہت تفصیل سے گزرا۔

صحابۂ کرام اور بعد کے علماے عظام کے کلام کے مفہوم سے استدلال برابر حجت رہا ہے اور یہ صحابہ وعلما کے کلام سے ہی استدلال تسلیم کیا جاتا رہا ہے تو آج اگر فقیہ بے مثال اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے کلام کے مفہوم مخالف سے استدلال کیا جاتا ہے تو یہ بھی «کلامِ رضا» سے ہی استدلال ہے۔ اسے "اختلاف" کہنا شان فقہا سے بعید ہے۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ ٹرینوں پر چلنے، اترنے کا طریقہ نہیں بدلا ہے مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس پر حکم کی بنیاد بھی نہیں رکھی ہے، آپ نے بنیاد اس کے سوا دو شرطوں پر رکھی ہے جیسا کہ اس پر گفتگو ہو چکی۔

رہ گئی یہ بات کہ: "ٹرینوں کا رکنا، چلنا اختیار عبد میں ہے۔"

یہ صحیح ہے۔ ڈرائیور قانون کے مطابق ریل چلاتا اور روکتا ہے مگر قانون کے خلاف ریل چلانا اور روکنا شرعًا اس کے اختیار میں نہیں کیوں کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے متعدّد فتاویٰ میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کو ناجائز وگناہ بتایا ہے، پھر خلاف قانون ریل روکنے، چلانے سے دل میں جو خوف پیدا ہوگا وہ اللہ عزوجل کی جانب سے ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں اس کی بھی صراحت ہے۔

ہمارے فقہاے کرام اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ دو مسئلے بظاہر ایک طرح کے ہوتے ہیں مگر کسی باریک فرق کی وجہ سے ان کے احکام الگ الگ ہوجاتے ہیں ایسے مسائل

---

(۱)-عربی عبارت کے ترجمے کے ساتھ- فتاویٰ رضویه جلد دوم، ص:۳۹۵، رساله حاجز البحرین.

ہدایہ میں بہت ہیں اور الاشباہ والنظائر میں تو ایسے ہی مسائل کو سمجھانے کے لیے محقق ابن نجیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "فن جمع وفرق" کا عنوان قائم کرکے بڑے بسط کے ساتھ فقہی جزئیات بیان کیے ہیں۔ بلکہ فی الواقع ایسے ہی مسائل کو "اشباہ ونظائر" کہا جاتا ہے، یہاں "اختیارِ عبد" میں ہونے نہ ہونے کا مسئلہ بھی انھیں مسائل اشباہ ونظائر سے ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے دور میں بھی بندہ ریل کو چلاتا، روکتا تھا اور آج کے دور میں بھی بندہ چلاتا روکتا ہے مگر اس مشابہت کے باوجود دونوں کے احکام میں فرق ہے، ایک صدی پہلے ریلوے نظام خود مختار کمپنیوں کے ہاتھوں میں تھا وہ نماز کے لیے ریل روک سکتی تھیں جیسا کہ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکتی تھیں اور وہ کسی قانون کے دباؤ کی وجہ سے بے بس نہ تھیں جب کہ آج ریلوے نظام حکومت کے ہاتھوں میں ہے اور خود حکومت کے لوگ ریل کا قانون نافذ ہو جانے کے بعد قانون کے دباؤ کی وجہ سے بے بس ہیں۔

خود فتاویٰ رضویہ میں اس نوع کے کثیر مسائل ہیں، یہاں خاص دو مسئلے ایسے پیش کیے جاتے ہیں جہاں "منع" بظاہر بندے کی طرف سے ہے مگر صراحت فرمائی ہے کہ ایک جگہ عذر بندے کی طرف سے ہے اور دوسری جگہ سماوی ہے۔

فتاویٰ رضویہ ص:۶۱۴، ج:۱، رسالہ «حسن التعمّم» میں ہے:

(۱)- ریل میں ہے اور اس درجے میں پانی نہیں اور دروازہ بند ہے تو تیمم کرے مگر جب پانی پائے طہارت کرکے نماز پھیرے. لان المانع من جهة العباد.

(۲)- اور اگر (ریل سے) اتر کر پانی لانے میں مال جاتے رہنے کا خوف ہو تو اعادہ بھی نہیں، اور اگر (اتر کر پانی لانے میں) ریل چلے جانے کا اندیشہ ہو جب بھی تیمم کرے اور اعادہ نہیں۔ یہ اس مسئلے کے حکم میں ہے کہ پانی میل سے کم ہے مگر اتنی دور ہے کہ اگر یہ وہاں جائے تو قافلہ چلا جائے گا اور اس کی نگاہ سے غائب ہو جائے گا۔

اقول: یا اگرچہ ابھی نگاہ سے غائب نہ ہوگا مگر یہ ایسا کمزور ہے کہ (قافلہ سے) مل نہ سکے گا:

"قال فی البحر: عن ابی یوسف: إذا کان بحیث لو ذھب إلیه وتوضأ تذھب القافلة وتغیب عن بصره فھو بعید ویجوز له التیمم واستحسن المشایخ ھذه الروایة، کذا فی التجنیس.اھ"

(بحر الرائق میں ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ جب پانی اتنے فاصلے پر ہو کہ وہاں جا کر وضو کرے تو قافلہ چلتے چلتے نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گا تو وہ پانی دور مانا جائے گا، اور اس کے لیے تیمم جائز ہو گا۔ مشایخ نے اس روایت کو مستحسن قرار دیا، ایسا ہی "تجنیس" میں ہے۔)

ان مسائل کی روشنی میں ریل کے در پیش مسئلے کو سمجھا جاسکتا ہے۔

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ ترے دل میں اتر جائے مری بات

جیسے عہد رسالت سے آج تک سیکڑوں مسائل میں حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے احکام بدل گئے ہیں پھر بھی وہ صاحب مذہب کی پیروی قرار پاتے ہیں ٹھیک اسی طرح سے چلتی ٹرین میں نماز کا مسئلہ بھی حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے بدل گیا ہے اور یہ بھی صاحبِ مذہب کی پیروی اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا اتباع ہے۔ [1]

(۱۱)- پینٹ، شرٹ، کوٹ، پتلون پہننا سخت حرام، مگر اب؟

آج سے کوئی ایک سو بیس سال پہلے ۱۷/ جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ کو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے یہ فتویٰ جاری کیا تھا:

"انگریزی وضع کے کپڑے پہننا حرام، سخت حرام، اشد حرام، اور انھیں پہن کر نماز مکروہ تحریمی، قریب بہ حرام، واجبُ الاعادہ۔ کہ جائز کپڑے پہن کر نہ پھیرے تو

(۱)- یہ مسئلہ یہاں بہت واضح اور مبسوط انداز میں لکھا گیا ہے جو ناظر منصف کے لیے کافی ہونا چاہیے۔ ضرورت ہوئی تو اسے مزید دلائل و شواہد اور شرح و بسط سے محکم و مؤید کیا جاسکتا ہے. واللہ خیر موفق ومعین.

گنہگار، مستحق عذاب والعیاذ باللہ العزیز الغفار. اھ" (۱)

ذرا فقیہ بے مثال کے فتوے کا حال دیکھیے کہ انگریزی وضع کے کپڑے - پینٹ، شرٹ، کوٹ، پتلون پہننا نہ صرف حرام ہے بلکہ سخت حرام ہے، بلکہ بہت سخت حرام ہے۔

اب حالات زمانہ پر نگاہ ڈالیے اور غور فرمائیے کہ کیا آج کے دور میں کوئی اس پر عامل اور اس کا قائل ہے؟

اب تو عام طور سے مسلمانان عالم یہ لباس اچھا سمجھ کر پہنتے اور بچوں کو پہناتے ہیں اور کبھی ان کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ یہ لباس سخت حرام یا ناجائز یا مکروہ بھی ہے۔ بلکہ کتنے مقامات ایسے ہیں جہاں بہت سے علما بھی یہ لباس زیب تن کرتے ہیں اور انھیں احساس حرمت بڑی بات ہے احساس کراہت تک نہیں ہوتا۔ اور راقم الحروف کو دور حاضر کے کسی عالم، مفتی، فقیہ، قاضی کے بارے میں نہیں معلوم کہ انھوں نے انگریزی لباس کو حرام و ناجائز قرار دیا ہو۔

تو کیا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اس موقف سے تمام عوام و خواص منحرف ہو گئے، یا وہ اس فتوے کے مخالف ہیں؟

اللہ کی پناہ، ایسا ہرگز نہیں، اس طرح کی سوچ کسی عامی کی ہو سکتی ہے، عالم کی نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ عالم اس حقیقت سے خوب آگاہ ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے آج سے سَوا سو سال پہلے جب انگریزی طرز کے کپڑوں کو سخت اور بہت سخت حرام قرار دیا تھا اس وقت یہ کپڑے انھیں انگریزوں کا شعارِ خاص تھے وہ لوگ اپنے اس لباس سے پہچانے جاتے تھے اور غیر قوم کے شعار کو پسندیدگی کے ساتھ اپنانا سخت حرام اور بسا اوقات کفر بھی ہوتا ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد نہم میں اس کی صراحت ہے.

مگر آج وہ لباس انگریزوں کا شعار نہیں رہ گئے اور عام طور پر اقوامِ عالم نے اس لباس کو اختیار کر لیا ہے، اور اب یہ کسی بھی قوم کی پہچان نہیں، غرض یہ کہ جس بنیاد پر فتاویٰ رضویہ میں اسے حرام یا سخت تر حرام قرار دیا گیا تھا وہ بنیاد ہی باقی نہ رہی اس لیے کوئی بھی رمز شناس

---

(۱)-فتاویٰ رضویہ، جلد: ۳، ص:۴۲۲، ۴۲۳، سنی دارالاشاعت، مبارک پور.

عالم آج کے زمانے میں اسے حرام نہیں کہہ سکتا، تو اگر آج مسلمانوں کے اس لباس کو اختیار کرنے پر علما و فقہا خاموش ہیں تو ایسا نہیں کہ وہ اَمر بالمعروف کی ذمہ داری نہیں نبھار ہے ہیں، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ حالات زمانہ کے بدلنے سے حکم ہی بدل گیا ہے۔

(۱۲)-سامان کے وجود میں آنے سے پہلے اس کی خرید و فروخت کا حکم

جو چیزیں فرمائش کر کے بنوائی جاتی ہیں اور ان کے بننے سے پہلے ہی ان کی خرید و فروخت ہو جاتی ہے یہ جائز ہے یا فاسد؟

اس سلسلے میں حکم شرع یہ ہے کہ اگر اسی طور پر ان چیزوں کی خرید و فروخت پر عرفِ عام اور تعامل ہو اور سامان دینے، لینے کی مدت دو چار، دس روز ہو، یا زیادہ ہو تو بھی ایک ماہ سے کم ہو تو وہ بیع جائز و درست ہے۔ ایسی بیع کو «بیعِ استصناع» اور «فرمائشی بیع» کہتے ہیں۔ اور اگر سامان کے لین دین کی مدت ایک ماہ یا اس سے زیادہ ہو تو بیعِ سَلَم کی تمام شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ عقد فاسد و ناجائز ہوگا۔ فقہاے حنفیہ کا یہی مذہب ہے اور فقیہِ بے مثال اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا یہی فتویٰ اور مسلکِ مختار ہے۔

لیکن اس کے بر خلاف شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف نے حرجِ شدید کو دور کرنے کے لیے اسے جائز و درست قرار دیا اور مذہب امام اعظم کو چھوڑ کر مذہبِ صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد) پر عمل کی اجازت دی۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے حکم بدل گیا۔ اب آپ شرعی کونسل کے فیصلے کا اصل متن پڑھیے:

”جدید طریقۂ بیع کی شرعی حیثیت“

جدید طریقۂ تجارت کے تحت یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا کہ مبیع موجود و مقبوض ہونے سے قبل ہی بیچنے اور خریدنے کا عمل اہل تجارت میں عام طور پر رائج ہو گیا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے مال تیار کرنے کو کہہ کر اسے خرید لیتا ہے اور مال موجود بھی نہیں ہے وہ دوسرے کو بیچ دیتا ہے حالاں کہ ابھی وہ مال موجود و

مقبوض نہیں ہے اور ھٰکذا وہ دوسرا تیسرے شخص کو وغیرہ۔ اس میں سوال یہ ہے کہ یہ بیع کی کس قسم میں داخل ہے؟

(۱)- یہ طے ہوا کہ بیع اول استصناع ہے اور یہ تعامل کی وجہ سے جائز ہے۔ لہٰذا جن جن اشیا میں ایسی بیع رائج ہوگئی ہے وہ جائز ہے اور یہاں تعامل کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کا رواج ہو اور علما سے بعد علم اس پر نکیر نہ پائی جائے۔

مذکورہ بالا بیع استصناع میں بسا اوقات ایک ماہ یا اس سے زائد کی اَجل (میعاد) مذکور ہوتی ہے جو مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر استصناع کے بجائے سَلَم ہوجاتی ہے اور اس میں جملہ شرائط سَلَم صحت عقد کے لیے لازم ہیں، اور حضرات صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذہب پر ایک ماہ یا زائد کی مدت استعجال کے لیے ہوتی ہے نہ کہ بطور شرط۔ تو کیا اس مسئلہ میں قول امام سے عدول درست ہے، اگر درست ہے تو کس بنا پر؟

(۲)- باتفاق رائے یہ طے ہوا کہ استصناع میں ایک ماہ یا اس سے زائد کی اَجَل کا ذکر بطور استعجال ہے جو صاحبین کا قول ہے۔ اس مسئلہ میں قول امام سے عدول (امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب چھوڑ کر ان کے دو خاص شاگردوں کا قول اپنانا) دفعِ حرجِ شدید کی بنا پر درست ہے۔"[۱]

بادی النظر میں دیکھا جائے تو یہ فیصلہ سراج الامۃ امام اعظم کے مذہب کے خلاف ہے اور دورِ آخر میں مذہب حنفی کے بے مثال فقیہ امام احمد رضا قدس سرہ کے فتویٰ کے بھی خلاف ہے یہاں تک کہ بہارِ شریعت کے بھی خلاف ہے۔ مگر جب حرجِ شدید کو دور کرنے کے لیے یہ موقف اختیار کیا گیا ہے تو یہ سب کے موافق ہے کیوں کہ حالات کے بدلنے سے یہ حکم بدلا ہے اور حرج شدید کی بنا پر مذہب صاحبین پر فیصلہ فی الواقع

(۱)- مسلک اعلیٰ حضرت کا پاسبان ماہ نامہ سنی دنیا کا فقہی سیمینار نمبر، ص:۸۳۔

مذہبِ امام اعظم پر عمل ہے اس طور پر یہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے بھی اختلاف نہ ہوا۔ بات ہر حال میں اسی طرح انصاف کی ہونی چاہیے اس لیے حالاتِ زمانہ پر نظر رکھنے والے فقہا جب اس طرح کے فیصلے صادر کریں تو اس کا خیر مقدم ہونا چاہیے۔

(۱۳)-امانت میں خیانت تنگ حال کے لیے جائز

حدیث پاک میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ (۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (۲) وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔ (۳) اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔[۱]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

”زر امانت میں اس کو تصرف حرام ہے۔ یہ ان مواضع میں ہے جن میں دراہم و دنانیر (چاندی سونے کے روپے) متعیّن ہوتے ہیں، اس کو جائز نہیں کہ اس روپے کے بدلے دوسرا روپیہ رکھ دے اگرچہ بعینہٖ ویسا ہی ہو، اگر کرے گا امین نہ رہے گا اور تاوان دینا آئے گا۔“[۲]

بہار شریعت میں ہے:

”زکوٰۃ دینے والے نے وکیل کو زکوٰۃ کا روپیہ دیا... اور وکیل نے پہلے اس روپیہ کو خرچ کر ڈالا، بعد کو اپنا روپیہ زکوٰۃ میں دیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوئی بلکہ یہ تبرّع ہے اور مؤکل کو تاوان دے گا۔“[۳]

اب شرعی کونسل کے بانیان اور اس کے فیصل بورڈ کے اہم ارکان اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے بواسطہ جانشین حضرت علامہ ازہری صاحب قبلہ اور حضرت صدر الشریعہ کے جانشین حضرت محدث کبیر صاحب قبلہ دام ظلہما کا فیصلہ پڑھیے پھر آپ خود فیصلہ

(۱)-صحیح مسلم شریف، ص:٥٦، ج:٢.
(۲)-فتاویٰ رضویه، ج:٨، ص:٣١.
(۳)-بهارِ شریعت، ص:٢٠، حصة:٥، بحواله درمختار و شامی.

کیجیے کہ احکام پر حالات زمانہ کا اثر پڑا ہے یا نہیں ؟ فیصلہ یہ ہے:

"اگر زکوٰۃ کا مذکورہ بالا محصل واقعتاً عسرت و تنگی میں پڑ جائے تو وہ وصول شدہ رقم میں سے بقدرِ ضرورت بطور قرض لے سکتا ہے اگر متبادل سبیل نہ ہو، اور اس پر واجب ہے کہ عند الطلب اتنا ہی مال ناظم ادارہ کو دے۔ اور چوں کہ اسے صراحتاً یا عرفاً مالِ امانت میں حق تصرف حاصل ہے تو اس کا قرض لینا درست ہے۔

مگر چوں کہ اپنے اوپر خرچ کے لیے قرض لے رہا ہے اس لیے اس میں عُسرت شرط ہے تو عسرت و تنگی جتنے سے دفع ہو سکتی ہے اتنا ہی لے اس سے زیادہ لینے کی اس کو اجازت نہیں۔" (۱)

کیا ان بزرگوں نے اعلیٰ حضرت اور صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہما سے اختلاف یا انحراف کیا ہے۔ جواب وہی ہے جو بار بار گزر چکا ہے کہ نہ اختلاف کیا ہے نہ انحراف بلکہ اپنے طور پر حالات کے ساتھ انصاف کیا ہے کیوں کہ جن سات بنیادوں پر شرعی احکام میں نرمی اور لچک آتی ہے ان میں سے ایک سبب یہاں ان حضرات نے تسلیم کیا ہے یعنی ضرورت یا حاجت۔ عسرت و تنگی فرقِ مراتب کے لحاظ سے حاجت کے زمرے میں بھی جا سکتی ہے، اور ضرورت کے زمرے میں بھی۔

البتہ اس بات پر نظر ثانی ہونی چاہیے کہ وکیل کو اپنی ضروریات کے لیے صراحتاً یا عرفاً مالِ امانت میں حق تصرف حاصل ہے۔ بلاد ہند میں محصِّل کو زکوٰۃ کی رقم اسے اپنے تصرف میں لانے کے لیے نہیں دیتے بلکہ محفوظ طور پر مدرسے تک پہنچانے کے لیے دیتے ہیں، تاہم مجھے اس سے غرض نہیں کہ عرف کیا ہے میں تو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ایک سببِ شرعی کی بنیاد پر شرعی کونسل نے فتاویٰ رضویہ اور بہارِ شریعت سے عدول کیا ہے۔ جس سے صاف واضح ہے کہ فقہ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت آج بھی ہو رہی ہے۔

(۱)- مسلک اعلیٰ حضرت کا پاسبان ماہ نامہ سنی دنیا کا فقہی سیمینار نمبر (شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف) ص:۹۰۔

نہ من تنہا دریں مے خانہ مستم
جنید و شبلی و عطار ہم مست

یہ فتاویٰ رضویہ کے بارہ مسائل ہیں جن کی تحقیق اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمائی اور انھیں فتویٰ کے لیے اختیار فرمایا۔

مگر بعد کے علما و فقہا جو آپ ہی کے خوانِ علم کے ریزہ خوار تھے یا اب بھی ریزہ خوار ہیں حالات زمانہ کے بدل جانے کی وجہ سے ان کے خلاف احکام صادر فرمائے یا اس کے خلاف امت کا عام عمل و ابتلا مشاہدہ کرنے کے باوجود اس سے ممانعت نہ فرمائی بلکہ خود بھی تمام افراد امت کے ساتھ اس عمل میں شریک ہو کر اس کے جواز کا اشارہ فرما دیا۔ جیسے گھروں اور مسجدوں میں برقی لائٹ اور پنکھے لگانا، اور کثیر اہل اسلام کا کوٹ، پتلون اور پینٹ، شرٹ پہننا، یہ سب اسی بنا پر ہوا کہ حالات بدل رہے ہیں یا بدل چکے ہیں تو غور ہونا چاہیے اور حالات کے بدلنے سے حکم کی بنیاد بدلنے کا اذعان ہو جائے تو امت کو اس بدلے ہوئے حکم سے آگاہ کر دینا چاہیے۔

اس لیے یہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے اختلاف و انحراف نہ ہوا تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تمام علمائے محققین کو اسی نظریے سے دیکھا جائے، پھر یہ کوئی آج کی بدعت نہیں بلکہ یہ طریقۂ حسنہ سلف صالحین سے چلا آرہا ہے جس کے کچھ نمونے آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ تو ان کے نائبین اگر ان کی سنت مرضیہ کو اختیار کرتے اور بدلے ہوئے حالات میں امت کو بدلے ہوئے احکام کی رہنمائی کرتے ہیں تو اخلاصِ قلب کے ساتھ ان کا احترام کیا جائے۔

وما علینا الا البلاغ
من آں چہ شرط بلاغ ست باتو می گویم
تو خواہ ازیں سخنم پند گیر، خواہ ملال

☆☆☆☆

مؤلّف کی حیات اور کارنامے
ایک نظر میں

مؤلّف ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے گاؤں کے مکتب سے تعلیمی سفر شروع کیا جو انجمن معین الاسلام بستی، مدرسہ عزیز العلوم نانپارہ، ضلع بہرائچ ہوتے ہوئے جامعہ اشرفیہ مبارک پور پر ختم ہوا، آپ کو جامعہ کا ماحول اتنا پسند آیا کہ یہاں آئے تو یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

نام و شجرۂ نسب: محمد نظام الدین رضوی بن خوش محمد انصاری (مرحوم) بن سخاوت علی انصاری (مرحوم) بن فتح محمد انصاری (مرحوم) بن خدا بخش انصاری (مرحوم)۔

ولادت: ۲؍ مارچ ۱۹۵۷ء، جمعرات ایک بجے شب۔

وطن اصلی: موضع بھوجولی، پوکھرا ٹولا (Bhujauli, Pokhara Tola) ڈاک خانہ بھوجولی بازار، تھانہ راجہ بازار، کھڈا، ضلع (قدیم) دیوریا، (جدید) کوشی نگر، اتر پردیش، ہند۔

وطن اقامت: متّصل جامع مسجد راجہ مبارک شاہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ (یو. پی.)

اب عرصۂ دراز سے مستقل بود و باش یہیں اختیار کر لی ہے۔

دار العلوم اشرفیہ میں داخلہ: شوال ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء درجۂ سابعہ۔

فراغت: یکم جمادی الآخرہ ۱۴۰۰ھ مطابق اپریل ۱۹۸۰ء۔

مدتِ تعلیم، دار العلوم اشرفیہ: ۴؍ سال: ایک سال درجۂ سابعہ، اس کے بعد دو سال درجۂ تحقیق فی الفقہ، پھر ایک سال درجۂ فضیلت۔

معین المدرسین دار العلوم اشرفیہ: ذو قعدہ ۱۳۹۸ھ۔ تقرر بحیثیت مدرس دار العلوم اشرفیہ، شوال ۱۴۰۰ھ/ اگست ۱۹۸۰ء۔

تدریس کے ساتھ فتویٰ نویسی کے لیے تعین: محرم الحرام ۱۴۰۱ھ۔

پہلا مبسوط فتویٰ بنام "فقہ حنفی سے دیوبندیوں کا ارتداد" جمادی الآخرہ و رجب ۱۴۰۱ھ،

ترتیب کتاب "فقہ حنفی کا تقابلی مطالعہ" ذوالحجہ ۱۴۰۰ھ تا جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ (کثرت مشاغل کے سبب یہ کام ملتوی ہوا، اب تک یہی حال ہے، یہ کاپی سائز کے ۳۰۰؍ صفحات پر مشتمل ہے)

دلچسپی کے میدان: تدریس، فتویٰ نویسی، مقالہ نگاری، جلسۂ عام میں سوال و جواب کے ذریعہ تبلیغِ دین، سمیناروں میں شرکت۔ تادمِ تحریر ایک سائنسی، ایک سماجی، ایک اصلاحی، تین تاریخی، دو تعلیمی اور ۴۰؍ فقہی سمیناروں کے لیے مقالے لکھے جو مقبول ہوئے۔ نیز ان سمیناروں میں شرکت کی۔ کانفرنسوں کی شرکت اس کے سوا ہے۔ مجموعی طور پر اب تک ۶۰؍ سمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کی۔

تصانیف: تصانیف کی تعداد ۴۴؍ ہے، جن کی نوعیت اور عناوین یہ ہیں:

(۱) الحواشی الجلیّۃ فی تایید مذہب الحنفیۃ علیٰ شرح صحیح مسلم (۲) فقہ حنفی کا تقابلی مطالعہ کتاب و سنت کی روشنی میں (۳) عصمت انبیا (۴) لاؤڈ اسپیکر کا شرعی حکم (۵) شیئر بازار کے مسائل (۶) جدید بینک کاری اور اسلام (۷) مشینی ذبیحہ مذاہب اربعہ کی روشنی میں (۸) مبارک راتیں (۹) عظمت والدین (۱۰) امام احمد رضا پر اعتراضات - ایک تحقیقی جائزہ (۱۱) ایک نشست میں تین طلاق کا شرعی حکم (۱۲) فقہ اسلامی کے سات بنیادی اصول (۱۳) دو ملکوں کی کرنسیوں کا اُدھار، تبادلہ و حوالہ (۱۴) انسانی خون سے علاج کا شرعی حکم (۱۵) دُکانوں، مکانوں کے پٹہ و پگڑی کے مسائل (۱۶) تحصیل صدقات پر کمیشن کا حکم (۱۷) خاندانی منصوبہ بندی اور اسلام (۱۸) تعمیر مزارات احادیث نبویہ کی روشنی میں (۱۹) خسر، بہو کے رشتے کا احترام اسلام کی نگاہ میں (۲۰) اعضا کی پیوند کاری (۲۱) فلیٹوں کی خرید و فروخت کے جدید طریقے (۲۲) بیمہ وغیرہ میں ورثہ کی نامزدگی کی شرعی حیثیت (۲۳) فقدان زوج کی مختلف صورتوں کے احکام (۲۴) کان اور آنکھ میں دوا ڈالنا مفسدِ صوم ہے یا نہیں (۲۵) جدید ذرائع ابلاغ اور رویتِ ہلال (۲۶) طویل المیعاد قرض اور ان کے احکام (۲۷) طبیب کے لیے اسلام اور تقویٰ کی شرط (۲۸) نیٹ ورک مارکیٹنگ کا شرعی حکم (۲۹) فسخ نکاح بوجہ تعسُّر نفقہ (۳۰) فقہ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے (۳۱) مسلکِ اعلیٰ حضرت عصر حاضر میں مسلکِ اہلِ سنت کی مترادف اصطلاح (۳۲) جداگانہ احکام اور فقہی اختلافات کے حدود حقائق و شواہد کے اجالے میں (۳۳) مساجد کی آمدنی

سے اے سی وغیرہ اخراجات کا انتظام (۳۴) تعدیۂ مرض شرعی نقطۂ نظر سے (۳۵) خلافتِ شرعی اور فضائلِ خلفائے راشدین (۳۶) جلوسِ عید میلاد النبی ﷺ سنتِ صحابہ کی یادگار (۳۷) برقی کتابوں کی خرید وفروخت شرعی نقطۂ نظر سے (۳۸) مسئلۂ کفاءت عصرِ حاضر کے تناظر میں (۳۹) بینکوں کی ملازمت شریعت کی روشنی میں (۴۰) اجتہاد کیا ہے اور مجتہد کون؟ (۴۱) تہتر میں ایک کون؟ (۴۲) ترکِ تقلید اور غیر مقلدین کے اجتہادی مسائل (۴۳) ثبوتِ ہلال کی نو صورتیں (۴۴) اور ۱۵ر جلدوں میں "فتاویٰ نظامیہ" جو دراصل " فتاویٰ اشرفیہ مصباح العلوم" ہے۔

مقالات: مقالات کی تعداد ۱۳۰ر ہے جن میں چند کے نام یہ ہیں:

(۱) قیاس حجت شرعی ہے (۲) اتر پردیش کے مسلمانوں کے مسائل اور ان کا حل (۳) امام احمد رضا اور جدید فقہی مسائل (۴) امام احمد رضا کا ذوقِ عبادت مکتوبات کے آئینے میں (۵) تقلید عرفی کی شرعی حیثیت (۶) پرنٹنگ ایجنسی کے احکام (۷) سرکار غوث اعظم کا فقہی مسلک (۸) تصوف اور اسلام (۹) حضور مفتی اعظم بحرِ فقاہت کے در شاہوار (۱۰) قضاۃ اور ان کے حدود ولایت (۱۱) بہار شریعت کا مختصر تعارف (۱۲) حضور خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کا مذہب فقہی نقطۂ نظر سے (۱۳) اسلامی درس گاہوں کا اسبابِ زوال اور ان کا علاج (۱۴) مساجد میں مدارس کا قیام (۱۵) میوچول فنڈ کی شرعی حیثیت (۱۶) پرافٹ پلس کی شرعی حیثیت (۱۷) درآمد برآمد ہونے والے گوشت کا حکم (۱۸) زینت کے لیے قرآنی آیات کا استعمال (۱۹) فیضانِ رسالت (۲۰) مصطفیٰ جانِ رحمت اور حقوقِ انسانی (۲۱) مذہبی چینل کا شرعی حکم فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں (۲۲) لغزشِ زبان سے صادر ہونے والے کلمات کب کفر ہیں کب نہیں؟ (۲۳) مسلکِ اہلِ سنت ہی مسلکِ اعلیٰ حضرت ہے (۲۴) حدیثِ افتراقِ امت اور بہتر فرقے (۲۵) نماز کے احکام پر ریل کے بدلتے نظام کا اثر (۲۶) انٹرنیٹ کے مواد ومشمولات کا شرعی حکم (۲۷) غیر رسمِ عثمانی میں قرآن حکیم کی کتابت (۲۸) ڈی این اے ٹیسٹ شرعی نقطۂ نظر سے (۲۹) قومی و ملی مسائل میں اہلِ سنت کا کردار ضرورت اور طریقۂ کار (۳۰) جینیٹک ٹیسٹ اور اس کی شرعی حیثیت (۳۱) جدید ذرائعِ ابلاغ سے نکاح کب جائز کب ناجائز (۳۲) بلیک برن وغیرہ بلادِ برطانیہ میں عشاء، وتر اور صوم کے وجوب کی تحقیق (۳۳) روزہ میں گل لگانے کی شرعی حیثیت (۳۴) سفر میں جمع بین الصلاتین

(۳۵)صدقۂ فطر کا وزن ۲ر کلو ۷۴ر گرام ہے (۳۶) مسجد دوسری جگہ منتقل نہیں ہو سکتی (۳۷)قربانی کے فضائل و مسائل (۳۸) نماز کی اہمیت مسائل کی روشنی میں (۳۹) آج کل سنی جامعات کس نہج پر ہیں (۴۰)اختلافی مسائل رحمت یا زحمت (۴۱) سنی دار الافتا کا کردار اور مفتیانِ عظام (۴۲) بیمۂ جان و مال کی تحقیق (۴۳)الکحل آمیز دواؤں کا استعمال (۴۴) جھوٹ بولنے کا دردناک انجام (۴۵) دینِ حق اور اس کی بے بہا تعلیمات (۴۶) فلمی گانوں کا ہول ناک منظر (۴۷) میوزک نماذکر کے ساتھ نعتِ مصطفےٰ ﷺ پڑھنا اور سننا (۴۸) ایڈز زدہ حاملہ عورت کو حمل ساقط کرانے کی اجازت نہیں (۴۹) چیک اور پرچی کی کٹوتی کا شرعی حکم (۵۰) دیون اور ان کے منافع پر زکوٰۃ (۵۱) دیہات میں جمعہ وظہر (۵۲) باغات و تالاب کا رائج اجارہ (۵۳) غیر مسلم ممالک میں جمعہ و عیدین (۵۴) تقلیدِ غیر کب جائز کب ناجائز؟ (۵۵) چھت سے سعی و طواف کا مسئلہ (۵۶) حاجی مقیم پر قربانی واجب ہے (۵۷) معاملہ کرایہ فروخت شرعی نقطۂ نظر سے (۵۸) بیت المال و مسلم کالج اور اسکول کے نام پر تحصیلِ زکوٰۃ (۵۹) یورو کائنیز انجکشن سے علاج کا شرعی حکم (۶۰) صاحبِ زمین پر قربانی و صدقۂ فطر کا وجوب (۶۱) انجکشن مفسدِ صوم ہے یا نہیں (۶۲) واشنگ مشین میں دھلے گئے کپڑے پاک ہیں یا ناپاک؟ (۶۳) حالتِ احرام میں خوشبو دار مشروبات پینے کا حکم (۶۴) عصر حاضر میں دار القضا کی ضرورت (۶۵) تمنائے موت شرعاً ممنوع ہے (۶۶) استمداد و استعانت پر ایک تحقیقی بحث (۶۷) اسلامی تصورِ توحید اور ائمۂ کرام (۶۸) مدارس میں طریقت اور خانقاہوں میں شریعت کا نفاذ ہو (۶۹) اسماو صفاتِ باری تعالیٰ (۷۰) حافظِ ملت اپنی تعلیمات کے آئینے میں (۷۱) حضور احسن العلما بحیثیت شیخ کامل (۷۲) حضرت صدر الافاضل بحیثیت مفسرِ قرآن (۷۳) حضرت صدر العلما بشیر القاری کے آئینے میں (۷۴) مسلم معاشرے کی خرابیاں اور ان کی اصلاح کے راستے (۷۵) اصولِ تدریسِ فقہ و اصولِ فقہ (۷۶) جبری جہیز کی لعنت کے خلاف فتویٰ (۷۷)الامام الترمذی و ماثرۂ العلمیة (عربی) (۷۸) المحدث أحمد علی السّھارنفوری(عربی) (۷۹)ترجمة صاحب الصحیح: الامام ابو الحسن مسلم بن الحجاج علیه الرحمة(عربی) (۸۰)ترجمة الشارح:الامام ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی شارح صحیح مسلم رحمہ اللہ (عربی)

ایوارڈ:

آپ کی دینی خدمات کے صلے میں آپ کو کئی ایوارڈ مل چکے ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے:

صدر الشریعہ ایوارڈ :(از دار العلوم حنفیہ ضیاء القرآن لکھنؤ)

حافظی ایوارڈ :(از شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ اکبر میاں چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پھپھوند شریف)

شبیہ نعلِ پاک حضور صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (از امین ملت حضرت سید محمد امین میاں قادری برکاتی، زیب سجادہ، خانقاہ عالیہ برکاتیہ، مارہرہ شریف)

قائدِ اہلِ سنت ایوارڈ: (از: علامہ ارشد القادری چیریٹز انٹر نیشنل، جمشید پور)

شمسِ مارہرہ ایوارڈ: (از جامعہ قادریہ حیات العلوم، شہزاد پور، اکبر پور)

امام احمد رضا محدث بریلوی ایوارڈ: (از: بینائی ایجوکیشنل ویلفیئر سوسائٹی، لکھنؤ)

مذہبی تعمیرات: امام احمد رضا جامع مسجد، بھوجولی پوکھراٹولہ، ضلع کوشی نگر (یو. پی.)

مناصب بتدریج: مدرس، مفتی، ناظم مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ، صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، رکن مجلس مشاورت ماہ نامہ اشرفیہ، قاضی شریعت کمشنری گورکھپور، رکن فقہی سمینار بورڈ دہلی، نگراں مرکز تربیت افتا اوجھا گنج، ضلع بستی (یوپی)

سفرِ حج وزیارت: (پہلا حج) ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء (دوسرا حج) ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء،

عمرہ رمضان المبارک: ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۷ء

غیر ملکی تبلیغی اسفار: برطانیہ، اسکاٹ لینڈ، پاکستان، ماریشش۔

بیعت: بدست اقدس مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں نوری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، (بریلی شریف)

اجازت وخلافت: از حضرت سیدی برہان ملت مولانا شاہ محمد برہان الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (جبل پور) و از حضرت امین ملت سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی دام ظلہ العالی (مارہرہ شریف)

(ادارہ)